تفسیر
سورۃ النور

۲۴۔ النور

نام آیت ۳۵ میں بیان ہوا ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ''النور'' ہے۔

زمانۂ نزول مدنی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۶ھ میں نازل ہوئی ہوگی۔ سورۂ احزاب میں جو غزوۂ خندق (شوال ۵ھ) کے بعد نازل ہوئی تھی گھر کے باہر کے پردہ کے سلسلہ میں احکام بیان ہوئے ہیں۔ اور اس میں گھر کے اندر غیر محرموں پر زینت کے اظہار سے منع کیا گیا ہے۔ یہ تدریجی حکم ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سورہ اس وقت نازل ہوئی جب کہ اس سے پہلے گھر کے باہر کے پردہ کا حکم آچکا تھا۔ یعنی سورہ احزاب نازل ہوچکی تھی۔

اس سورہ میں جو حدود (تعزیری قوانین) بیان ہوئے ہیں وہ بھی ایسے موقع پر ہی دئے جاسکتے ہیں، جب کہ قوت نافذہ حاصل ہوگئی ہو۔ مدینہ میں مسلمانوں کو یہ قوت غزوۂ بنی قریظہ کے بعد ہی حاصل ہوگئی تھی، جو غزوۂ خندق کے متصلاً بعد پیش آیا تھا۔ اور جس کے بعد یہود نواز منافق کمزور پڑ گئے تھے اور بوکھلاہٹ کی وجہ سے اوچھی باتوں پر اتر آئے تھے۔ یعنی شریف عورتوں پر تہمت لگانا وغیرہ۔

مرکزی مضمون عفت و پاکدامنی اور شرم وحیاء کے تحفظ کے لئے، جن باتوں کا اہتمام ضروری ہے ان کی ہدایت، بدکاری کرنے والوں اور جھوٹی تہمتیں لگا کر بے حیائی پھیلانے والوں کے خلاف کڑی سزاؤں کا اعلان، اور اس حقیقت کا اظہار کہ ایمان سے مؤمن کی پوری زندگی منور ہوجاتی ہے۔ عفت و پاکدامانی اس کی درخشندہ کرنیں ہیں۔ پھر اس سورہ کا دائرہ اخلاقی نصیحت تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس سلسلہ میں سماج پر اس کی ذمہ داریاں بھی واضح کردی گئی ہیں اور اسلامی حکومت پر اس کے فرائض بھی۔

نظم کلام آیت ۱ میں بطور تمہید اس سورہ کی یہ اہمیت واضح کی گئی ہے کہ اس میں جو احکام دئے جارہے ہیں ان کی تعمیل فرض ہے۔

آیت ۲ تا ۱۰ میں زنا اور زنا کی تہمت کی سزائیں بیان کی گئی ہیں۔

آیت ۱۱ تا ۲۶ میں منافقوں کو تنبیہ، جو شریف مؤمن مردوں اور شریف مؤمن عورتوں کی عزت و ناموس پر دھبہ لگانے کے لئے جھوٹے قصے گڑھ کر سوسائٹی میں پھیلاتے تھے، اور ان کے اس فتنہ کا شکار کمزور اور سادہ لوح مسلمان بھی ہوجاتے تھے۔

آیت ۲۷ تا ۳۴ میں ان باتوں کا اہتمام کرنے کی ہدایت جو عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے ضروری ہیں۔

آیت ۳۵ تا ۴۰ میں اس حقیقت کو نمایاں کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی روشنی میں چلتے ہیں ان کی زندگیاں اللہ کے نور سے منور ہوجاتی ہیں۔ اور جو لوگ اس سے انکار کرتے ہیں وہ گہری تاریکیوں میں ڈوب جاتے ہیں۔

آیت ۴۱ تا ۵۴ میں ان دلائل کو بیان کرتے ہوئے جن سے خالص ایمان پیدا ہوتا ہے، منافقوں کو دعوت کہ وہ اخلاص کے ساتھ ایمان لائیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کریں۔

آیت ۵۵ تا ۵۷ میں اہل ایمان کو بشارت کہ وہ ان کو اس طرح خلافت (اقتدار) سے نوازے گا، کہ موجودہ خوف وخطر کا ماحول اطمینان وسکون کے ماحول میں تبدیل ہوجائے گا۔

آیت ۵۸ تا ۶۱ میں ان احکام کا تتمہ، جو آیت ۲۷ تا ۳۴ میں گھر کے آداب کے تعلق سے دیئے گئے ہیں۔

آیت ۶۲ تا ۶۴ اختتامی آیات ہیں جن میں رسول کی پکار کو غیر معمولی اہمیت دینے اور اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے کی ہدایت کی گئی ہے۔

سُوْرَةُ النُّوْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ
لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪
وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ
مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ②

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ
اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ③

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ
فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ
اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ
لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑥

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑦

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ
لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ ⑧

۲۴۔ سُورۃُ النور

آیات ۶۴

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ یہ ایک سورہ ہے جو ہم نے نازل کی ہے ۱؎۔ اور اسے ہم نے فرض کیا ہے ۲؎۔ اور اس میں ہم نے واضح احکام نازل کئے ہیں ۳؎ تا کہ تم سبق لو۔ ۴؎

۲ زانی عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو ۵؎۔ اور اللہ کے دین کے معاملہ میں تم کو ان پر ترس نہ آئے ۶؎، اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ اور ان کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہے۔ ۷؎

۳ زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ سے، اور زانیہ سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک، اور یہ حرام کر دیا گیا ہے اہل ایمان پر۔ ۸؎

۴ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کریں ان کو اسّی کوڑے مارو ۹؎۔ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو ۱۰؎۔ وہ فاسق ہیں۔ ۱۱؎

۵ مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کریں اور اصلاح کر لیں، تو اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ۱۲؎

۶ اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس گواہ نہ ہوں بجز ان کی اپنی ذات کے تو (اس صورت میں) ان میں سے ایک کی (یعنی شوہر کی) گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچا ہے۔

۷ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر وہ جھوٹا ہے۔

۸ اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یہ شخص (اس کا شوہر) جھوٹا ہے۔

۱۔ واضح ہوا کہ قرآن کی آیتیں جن سورتوں (Chapters) کی شکل میں موجود ہیں ان کی تشکیل اللہ ہی کی طرف سے ہوئی ہے۔ یہاں ''ایک سورہ'' کہنے کا مطلب اس سورہ کی اہمیت کو واضح کرنا ہے۔

۲۔ چونکہ اس سورہ میں زنا اور تہمتِ زنا کی سخت سزائیں بیان ہوئی ہیں جن کا نفاذ طبیعتوں پر سخت گراں گزرتا ہے۔ نیز جنسی بے راہ روی کے سد باب کے لئے بھی سخت احکام دئے گئے ہیں۔ اس لئے آغاز ہی میں واضح کر دیا گیا کہ جو احکام اس میں دئے گئے ہیں وہ فرض ہیں۔ لہٰذا لازماً ان کی تعمیل کی جانی چاہئے۔

تعزیرات (عقوبات) کے لئے قوتِ نافذہ کا ہونا ضروری ہے اور اس کا تعلق نظم اجتماعی اور حکومت سے ہے۔ اس سے اسلام کی یہ حیثیت بالکل نمایاں ہو جاتی ہے کہ وہ وسیع تر معنیٰ میں دین ہے، جو اجتماعی زندگی سے متعلق ہدایات بھی دیتا ہے اور اس کا اپنا ایک تعزیری قانون بھی ہے، جس کو نافذ نہ کرنا جب کہ قوتِ نافذہ موجود ہو، فرض کی ادائیگی سے گریز ہے۔ اور ان کی جگہ وضعی (انسان کے بنائے ہوئے) قوانین کو نافذ کرنا احکام الٰہی کی صریح خلاف ورزی بلکہ خدا سے سرکشی ہے۔ لیکن افسوس کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی بیشتر حکومتیں بڑی بے شرمی کے ساتھ اسلام کے تعزیری قوانین کی جگہ خود ساختہ تعزیری قوانین نافذ کر رہی ہیں اور جہاں مسلمان کسی سیکولر اسٹیٹ کے تحت رہتے ہیں وہاں انہیں اسلام کے تعزیری قوانین کی صحت اور برتری ظاہر کرنے میں بھی تامل ہوتا ہے کہ ان کا سیکولرازم چکنا چور نہ ہو جائے!

ضمناً یہ بات بھی واضح ہوئی کہ قرآن کا علم حاصل کرنا فرض ہے کیوں کہ عمل کے لئے علم شرط ہے اور تذکیر و تربیت کے پہلو سے بھی قرآن کا مطالعہ ضروری ہے۔ احکام الٰہی کے جو اثرات قلب و ذہن پر مرتب ہوتے ہیں وہ کسی اور کتاب سے نہیں ہو سکتے خواہ وہ کتنی ہی مفید کیوں نہ ہو۔

۳۔ واضح احکام کا مطلب یہ ہے کہ ان کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ قرآن کی اس صراحت کے بعد اس کے کسی حکم کا کوئی مطلب لینا صحیح نہیں ہو سکتا جو واضح مفہوم کے خلاف ہو۔ اس سے ان تمام بحثوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے جو قرآن کے کسی واضح حکم کو مبہم سمجھ کر کی جاتی ہیں۔

۴۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جو تعزیری احکام دیئے جا رہے ہیں وہ عبرت پذیری کے لئے ہیں۔ یعنی اس لئے ہیں کہ کوئی شخص جرم کرنے کا حوصلہ نہ کرے۔ نیز اس بات کی یاد دہانی ہو کہ اللہ کا قانونِ عدل جب مجرموں کے لئے دنیا میں سزا تجویز کرتا ہے، تو اس نے جو دن انصاف کے لئے مقرر کیا ہے اس دن وہ مجرموں کو کیفر کردار کو کیوں نہیں پہنچائے گا؟

۵۔ اس آیت کے ذیل میں چند باتوں کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے:

(۱) زنا ایک سنگین گناہ اور قابل سزا جرم ہے۔ مرد اور عورت کا اپنی مرضی سے زنا کا ارتکاب نہ ان کو بے گناہ قرار دیتا ہے اور نہ جرم سے بری۔ اس معاملہ میں مرد اور عورت دونوں یکساں ہیں اور یکساں سزا کے مستحق۔ البتہ اگر مرد نے عورت پر جبر کر کے زنا کیا ہے تو عورت بے قصور ہے اور اسے زانیہ نہیں کہا جا سکتا، ایسی صورت میں صرف مرد سزا کا مستحق ہوگا۔

(۲) متن میں لفظ ''جَلدَۃ'' استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ کسی ایسی چیز سے مارنے کے ہیں جس کا اثر جلد پر ہو اور اس سے متجاوز نہ ہو۔ یہ مقصد کوڑے یا بید کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ ضرب اس شدت سے نہ لگائی جائے کہ چمڑی ادھڑ جائے اور جسم لہولہان ہو جائے۔ مارتے وقت جسم پر جو معمولی کپڑے ہوں وہ رہنے دئے جائیں گے، منہ اور نازک اعضاء پر ضرب نہیں لگائی جائے گی۔ مرد کو کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر ضربیں لگائی جائیں گی۔

(۳) عام جرائم کے لئے دو گواہ کافی ہوتے ہیں لیکن زنا کے ثبوت کے لئے قرآن نے چار گواہوں کا نصاب مقرر کیا ہے۔ یہ کڑی شرط اس لئے عائد کی گئی ہے تا کہ کسی کی عزت و ناموس کو آسانی سے بٹہ نہ لگایا جا سکے۔

(۴) آیت کے الفاظ حکم کی عمومیت پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنی زانی اور زانیہ کنوارے ہوں یا شادی شدہ دونوں کو سو کوڑے مارے جائیں۔ لیکن بہ کثرت احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کے مختلف مقدمات میں شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کو زنا کا مرتکب ہونے کی بنا پر رجم یعنی سنگسار کرنے کا

حکم دیا تھا، جس کی صحابہ کرام نے تعمیل کی۔ یہ حدیثیں بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، اور مؤطا وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ پھر خلفاء راشدین کے زمانہ میں بھی اس پر عمل درآمد ہوتا رہا اور امت کے علماء وفقہاء اس پر متفق ہیں۔ علاوہ ازیں ایک حدیث میں جو سند کے اعتبار سے صحیح ہے یہ اصولی بات بھی بیان ہوئی ہے کہ:

لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِیٍٔ مسلمٍ یَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاحدیٰ ثلاثٍ: اَلنَّفْسِ بِالنَّفْسِ وَ الثیب الزَّانِی وَ المارقُ مِن الدِّیْنِ التَّارک الجماعة۔ (بخاری کتاب الدیات)

''کسی مسلمان کا جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، خون جائز نہیں الا یہ کہ ان میں تین صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آجائے: اس نے کسی کا خون کیا ہو، یا شادی شدہ ہو کر زنا کا مرتکب ہوا ہو، یا دین سے نکل گیا ہو اور ملت کو چھوڑ دیا ہو (یعنی مرتد ہو گیا ہو)۔''

اس لئے شادی شدہ زانی مرد وعورت کے لئے رجم کی سزا ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔ البتہ یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ قرآن عمومیت کیساتھ کوڑوں کی سزا بیان کرتا ہے جب کہ حدیث شادی شدہ زانی وزانیہ کے لئے سنگسار کرنے کی سزا تجویز کرتی ہے، تو دونوں میں مطابقت کی کیا صورت ہے؟ اس کا جواب قدرے تفصیلی ہے:

زمانۂ جاہلیت میں زنا عام تھا اور اگر باہم رضامندی سے کیا گیا ہو تو اس کے لئے کسی سزا کا کوئی تصور نہیں تھا، جیسا کہ موجودہ ''مہذب جاہلیت'' میں نہیں ہے۔ ایسے معاشرہ میں زنا کی انتہائی سزا کے لئے تدریج ضروری تھی، بالکل اسی طرح جس طرح کہ شراب کے متوالوں کو پہلے شراب سے نفرت دلائی گئی، پھر صراحت کے ساتھ شراب کو حرام قرار دیا گیا۔ اور پھر شراب پینے والوں کے لئے سزا متعین ہوئی۔ اس سزا میں بھی کسی قدر تدریج رہی یعنی پہلے صرف ہاتھ سے مارنے کی سزا تھی بعد میں کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی جس کی تفصیل احادیث میں ملتی ہے۔ اس حکمتِ تشریع کے پیش نظر مدینہ میں پہلے مرحلہ میں زانیہ عورتوں کو خواہ وہ کنواری ہوں یا شادی شدہ گھروں میں نظر بند کرنے کا حکم ہوا، اور زانی مرد اور عورت دونوں کو خواہ وہ کنوارے ہوں یا شادی شدہ تادیبی سزا دینے کا مجمل حکم دیا گیا۔ یہ حکم سورۂ نساء آیت ۱۵/ اور ۱۶/ میں بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد دوسرے مرحلہ میں سورۂ نور کی یہ آیت نازل ہوئی جس میں ہر قسم کے زانی کے لئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور خواہ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ سو کوڑوں کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ اس حکم سے نظر بند عورتوں کی رہائی کی سبیل پیدا ہو گئی، جس کا وعدہ سورۂ نساء میں ان الفاظ میں کیا گیا تھا:

فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا۔ (نساء۔۱۵)

''ان عورتوں کو گھروں میں روکے رکھو یہاں تک کہ موت ان کا وقت پورا کر دے ۔ یا اللہ ان کے لئے کوئی راہ نکال دے۔''

''سبیل'' قید وبند سے رہائی کے معنیٰ میں ہے اور کوڑوں کی سزا کا نفاذ ان کو قید وبند سے رہائی دلانے والا تھا۔ رجم کا حکم اس وقت نہیں دیا گیا تھا اور نہ رجم کو سبیل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس مرحلہ میں کوڑوں کی سزا کا حکم عمومیت کے ساتھ دیا گیا جو بالکل برمحل تھا کیوں کہ اس وقت تک شادی شدہ زانی کے لئے رجم کا حکم دیا ہی نہیں گیا تھا۔

بعد میں یعنی سورۂ نور کی تنزیل کے کم از کم ایک سال بعد غالباً ۷ھ میں جو زنا کی سزا کے لئے تیسرے مرحلہ کی حیثیت رکھتا ہے، انتہائی سزا تجویز کی گئی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنا کے جو مقدمات پیش ہوئے ان میں آپ نے شادی شدہ زانی مرد اور شادی شدہ زانی عورت کو رجم کی سزا دی۔ یہاں تک کہ یہود کے زنا کے مقدمہ میں بھی آپ نے یہی فیصلہ سنایا۔ اور تورات میں رجم کا جو حکم موجود ہے اس سے ان پر حجت قائم کی۔

''اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں۔ یعنی وہ مرد جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی بُرائی کو دفع کرنا۔

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان

کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں۔'' (استثنا ۲۲: ۲۲، ۲۳)

ان واقعات کے لئے دیکھئے بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث کی (کتاب الحدود) اس طرح تدریج کے آخری مرحلہ میں سنت نبوی نے جو وحی الٰہی ہی کی روشنی میں متعین ہوتی ہے، شادی شدہ زانی مرد اور عورت کیلئے رجم کی سزا مقرر کی۔ اس سے کوڑوں کی سزا کا حکم جو سورۂ نور کی زیر تفسیر آیت میں دیا گیا ہے کنوارے مرد و عورت کیلئے مخصوص ہو گیا، اور اب اس میں وہ عموم باقی نہیں رہا جو اس کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ سنت یا احادیثِ صحیحہ کے ذریعہ قرآن کے احکام کی تخصیص کی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ مثلاً سورۂ جمعہ میں یہ حکم کہ جمعہ کے دن جب نماز کیلئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو بظاہر عام ہے۔ یعنی مرد عورت سب کیلئے لیکن سنت نے عورتوں کو اس سے مستثنیٰ کر کے مردوں کیلئے اس کو خاص کر دیا۔ قرآن نے وصیت کی تعمیل کا حکم دیا اور کوئی تحدید نہیں کی لیکن سنت نے ۳/۱ حصہ کے لئے اس کی تحدید کر دی۔ لہٰذا اگر سنت نے قرآن کی بیان کردہ کوڑوں کی سزا کو کنوارے زانی مرد و عورت کیلئے خاص کر دیا اور شادی شدہ زانی مرد و عورت کے لئے اس سے زیادہ سنگین سزا تجویز کی تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ کنوارے شخص کے مقابلہ میں شادی شدہ شخص سے زنا کا ارتکاب جرم کو سنگین بناتا ہے اس لئے اس کی سزا بھی مقابلۃً سخت ہونی چاہئے۔ لہٰذا سنت نے جو حد (سزا) مقرر کی وہ مبنی بر انصاف ہے۔

اگرچہ رجم کی سزا قرآن میں بیان نہیں ہوئی ہے لیکن سورۂ نور ہی کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ (جو لوگ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلانا چاہتے ہیں ان کیلئے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔ آیت ۱۹) اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ زناکاروں کو دردناک سزا دی جائے۔ سنت نے شادی شدہ زانیوں کے لئے رجم کی سزا کا قاعدہ جاری کر کے اس آیت کے منشاء کو پورا کیا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ رجم کی سزا کے لئے قرآن میں کوئی ماخذ موجود نہیں ہے۔ البتہ رجم کی تائید میں اس روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے، جس میں حضرت عمر کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے، کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ قرآن میں رجم کی آیت موجود تھی، مگر بعد میں اس کی تلاوت اٹھالی گئی اور حکم برقرار رہا۔ یہ ایک بے ہودہ بات ہے جو روایتوں میں آ گئی ہے۔ اور اس کی نسبت حضرت عمر کی طرف ہرگز صحیح نہیں۔ قرآن تو ایک قطعی چیز ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ وہ کسی راوی کے روایت کرنے سے نہیں بلکہ امت کے تواتر سے ثابت ہے۔ اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے، پھر اگر کوئی روایت قرآن میں کسی آیت کے اضافہ کی مدعی ہو تو اس کا دعویٰ سراسر غلط بلکہ باطل قرار پائے گا۔ اس لئے یہ روایت اس لائق نہیں کہ اس کو کوئی اہمیت دی جائے۔ پھر اس روایت میں آیت (الشیخ و الشیخۃ۔۔۔) جن الفاظ اور جن اسلوب میں بیان ہوئی ہے وہ اس قدر لچر ہیں کہ اس کو قرآن سے جوڑنا ایسا ہی ہے جیسے تاج محل میں مٹی کی دیوار کا جوڑ لگانا۔ اور اگر یہ آیت تھی تو اس کی تلاوت کا منسوخ ہونا اور حکم کا باقی رہنا بھی، ایک ایسی بات ہے جو روایت پرستوں ہی کی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ افسوس کہ لوگوں نے حدیثیں گھڑنے ہی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ آیتیں گھڑنے کی بھی جسارت کی۔ اور روایت پرست خلافِ قرآن اور بے ہودہ روایتوں کو بھی صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

(۵) آیت میں خطاب اہل ایمان سے ہے اس لئے مسلم معاشرہ اس بات کا مکلف (ذمہ دار) ہے کہ اس تعزیری قانون (حد) کو جاری کرے۔ اس کے نفاذ کی عملی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومتیں جو ان کی نمائندگی کرتی ہیں اس کو (اور اسی طرح اسلام کے دوسرے تعزیری قوانین کو) جاری و نافذ کریں۔

۶۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کا دین جہاں سختی کا مطالبہ کرتا ہے وہاں نرمی نہ برتو۔

علامہ رازی لکھتے ہیں: ''فِی دِیْنِ اللّٰہِ'' فرما کر اس بات پر متنبہ فرمایا ہے کہ دین نے جب ایک کام کو واجب قرار دیا تو اس کے برخلاف نرمی کا استعمال صحیح نہیں۔'' (تفسیر کبیر جلد ۲۳ ص ۱۴۸)

نرمی کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک صورت یہ کہ شریعت کے تعزیری قانون کو کسی نرم قانون سے بدل دیا جائے جو کفر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عملاً اس کے نفاذ میں رعایت برتی جائے اور تیسری صورت یہ ہے کہ مار اتنی ہلکی ہو کہ سزا کا مقصد ہی فوت ہو جائے۔ نرمی کی ان تمام صورتوں سے احتراز ضروری

ہے۔شریعت کے تعزیری قوانین یقیناً سخت ہیں لیکن جرائم کو روکنے اور مجرموں کو سبق دینے کے لئے یہ ضروری ہیں۔ چنانچہ آج مکہ و مدینہ کی سرزمین میں جرائم کی جو حیرت انگیز حد تک کمی ہے وہ ان قوانین ہی کے اجراء کی برکتیں ہیں۔

موجودہ دور میں تو مجرموں کے لئے بہت ہلکی پھلکی سزائیں تجویز کی جاتی ہیں۔لوگوں کو ظالموں پر رحم آتا ہے مگر ان مظلوموں پر رحم نہیں آتا، جو اغواء و عصمت دری اور قتل و غارت گری کا شکار ہو جاتے ہیں۔انہیں وہ سختی بھی دکھائی نہیں دیتی جو کسی جرم کا اعتراف کرانے کے لئے پولیس برتتی ہے۔اور ایسی ایسی اذیتیں (Torture) دیتی ہیں کہ دورِ وحشت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔اور کبھی کبھی تو ملزم دم توڑ دیتا ہے حالانکہ اس کا جرم ابھی ثابت نہیں ہوا۔

۷۔ یعنی مسلمانوں کی ایک تعداد سزا کے وقت موجود رہے، تاکہ وہ عبرت حاصل کریں اور کسی شخص کو جرم کرنے کا حوصلہ پیدا ہی نہ ہو۔

۸۔ اس آیت میں زناکاروں کا عام طرزِ عمل بیان ہوا ہے۔ایک زانی مرد، زانی عورت یا مشرکہ سے نکاح کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا اور نہ ایک زانیہ زانی مرد یا مشرک سے نکاح کرنے میں عار محسوس کرتی ہے۔لیکن اہل ایمان کیلئے ایسے رشتے حرام ہیں۔مؤمن عورت کیلئے کسی زانی یا مشرک سے نکاح ہرگز جائز نہیں اور نہ مؤمن مرد کیلئے زانیہ یا مشرکہ سے نکاح جائز ہے۔بدکاری اور بدعقیدگی کی بنا پر ایسے رشتے اہل ایمان کیلئے موزوں نہیں ہیں، اس لئے لازماً اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

جہاں تک زنا بالجبر کا تعلق ہے، وہ تو ایک زانی کسی پاکدامن خاتون کے ساتھ بھی کرتا ہے لیکن اس کو زانیہ نہیں کہا جا سکتا۔اسی طرح ایک مسلمان خاتون لاعلمی کی بنا پر ایک ایسے مسلمان کے نکاح میں آجاتی ہے جو زانی ہے، اس بنا پر وہ زانیہ نہیں ہو جاتی اس لئے آیت کا مفہوم وہی صحیح معلوم ہوتا جو اوپر بیان ہوا۔واللہ اعلم

۹۔ تہمت سے مراد زنا کی تہمت ہے اور پاکدامن عورتوں پر خواہ وہ کنواری ہوں یا شادی شدہ، زنا کی تہمت لگانا ان کی عزت و ناموس کو بٹہ لگانا ہے جو ان کے لئے عار اور بدنامی کا باعث ہے۔اس لئے شریعت نے اس الزام کو ثابت نہ کرنے والے کے لئے سخت سزا مقرر کی ہے یعنی ۸۰ (اسّی) کوڑے لگانا۔

یہ سزا ہر قسم کے الزام کے لئے نہیں ہے بلکہ زنا کی تہمت کے لئے خاص ہے جس کو فقہی اصطلاح میں قذف کہا جاتا ہے۔سزا دینا اسلامی عدالت کا کام ہے جس کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا گیا ہو اور تہمت لگانے والا چار گواہ پیش نہ کر سکے۔

۱۰۔ یعنی تہمت لگانے والوں کی شہادت ہمیشہ کے لئے ناقابل قبول ہے۔

۱۱۔ یعنی انہوں نے بہت بڑا جھوٹ بولا اور پاکدامن عورتوں کی عزت و ناموس کو داغ دار بنانا چاہا، اس لئے وہ بہت بڑے گناہ (فسق) کے مرتکب ہوئے۔

اس سے ضمناً یہ اصولی بات بھی واضح ہوئی کہ ایک مسلمان فاسق بھی ہو سکتا ہے، اگر وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے اور جب وہ دنیا میں سخت سزا کا مستحق ہو جاتا ہے تو آخرت میں فاسق مسلمانوں کو سزا سے کیوں نہ دوچار ہونا پڑے گا! مگر آج مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد فسق و فجور کی زندگی گذارتے ہوئے اس خام خیالی میں مبتلا ہے کہ کلمہ گو ہونے کی بنا پر قیامت کے دن ان کو کسی سزا سے واسطہ پڑنے والا ہی نہیں ہے!

۱۲۔ یعنی اگر ایسا شخص توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیتا ہے تو پھر وہ فاسق نہیں رہے گا۔اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا اور اس پر رحم فرمائے گا۔مسلمانوں کی سوسائٹی میں بھی اسے پھر فاسق نہیں کہا جا سکے گا۔

جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں نے ایک دوسرے کے بارے میں نیک گمان کیوں نہیں کیا اور کیوں نہیں کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔ وہ لوگ اس (الزام) کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اور جب وہ گواہ نہیں لائے ہیں تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ اور اگر تم لوگوں پر دنیا وآخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے اس کی وجہ سے بڑا عذاب تمہیں آلیتا۔ (القرآن)

وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٩

۹ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر مرد سچا ہے۔ ۱۳؎

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝١٠

۱۰ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم مشکل میں پڑ جاتے۔ پس جان لو کہ اللہ فضل والا رحمت والا ہے) اور یہ کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے۔ ۱۴؎

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١١

۱۱ جو لوگ بہتان گڑھ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک گروہ ہے ۱۵؎۔ تم اس چیز کو اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے لئے اچھا ہے ۱۶؎۔ ان میں سے جس نے جتنا گناہ کمایا اُتنا ہی وبال اس پر ہے۔ اور جس شخص نے اس میں بڑا حصہ لیا اس کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔ ۱۷؎

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝١٢

۱۲ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں نے ایک دوسرے کے بارے میں نیک گمان کیوں نہیں کیا اور کیوں نہیں کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔ ۱۸؎

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰۗىِٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝١٣

۱۳ وہ لوگ اس (الزام) کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اور جب وہ گواہ نہیں لائے ہیں تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ ۱۹؎

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١٤ۚ

۱۴ اور اگر تم لوگوں پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے اس کی وجہ سے بڑا عذاب تمہیں آلیتا۔ ۲۰؎

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝١٥

۱۵ جب تم اس (جھوٹ) کو اپنی زبانوں پر لا رہے تھے اور اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ تم اسے معمولی بات خیال کر رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بڑی بات تھی۔ ۲۱؎

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۡ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝١٦

۱۶ جب تم نے یہ بات سنی تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان پر لانا زیب نہیں دیتا۔ سُبحان اللہ! یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔ ۲۲؎

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ ۝١٧

۱۷ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مؤمن ہو۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝١٨

۱۸ اللہ تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے۔ وہ علم والا حکمت والا ہے۔

۱۳؎ ان آیتوں میں لعان کا حکم بیان ہوا ہے۔لعان کا مطلب یہ ہے کہ شوہر اور بیوی حلفیہ بیان دیں کہ، اگر وہ اپنے بیان میں جھوٹے ہیں تو ان پر اللہ کی لعنت ہو۔اس کی صورت یہ ہے کہ اگر شوہر بیوی پر زنا کا الزام عائد کرتا ہے،لیکن اس کے پاس ذاتی شہادت کے علاوہ پیش کرنے کے لئے گواہ نہیں ہیں، جب کہ زنا کو ثابت کرنے کے لئے چار گواہ ضروری ہیں تو وہ اسلامی عدالت کے سامنے چار مرتبہ حلفیہ بیان دے، کہ وہ اپنے بیان میں بالکل سچا ہے اور پانچویں مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر وہ جھوٹا ہے۔اس کے بعد عورت کو موقع دیا جائے گا، کہ وہ اگر شوہر کے الزام کو جھوٹا سمجھتی ہے تو اس کی تردید کرے اور اس تردید کے لئے اسے چار مرتبہ حلفیہ بیان دینا ہوگا کہ شوہر اس پر الزام لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہنا ہوگا کہ اللہ کا غضب ہو اس پر (یعنی عورت پر) اگر شوہر اپنے بیان میں سچا ہے۔اس کے بعد عدالت ان دونوں کے درمیان تفریق کرادے گی اور کسی کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔لیکن اگر شوہر کے حلفیہ بیان کے بعد بیوی زنا کے الزام کی تردید اپنے حلفیہ بیان کے ذریعہ نہیں کرتی تو وہ سزا کی مستحق ہے۔یہ سزا وہی ہوگی جو اوپر آیت ۲ میں بیان ہوئی یعنی سو کوڑوں کی سزا، کیوں کہ یَدْرَاٴُعَنْهَا الْعَذَابَ (اس سے سزا اس صورت میں ٹل جائے گی جب کہ۔۔۔۔) میں العذاب سے مراد وہی سزا لی جاسکتی ہے جو اس سیاق (Context) میں بیان ہوئی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ شادی شدہ زانیہ کی سزا سنت نے رجم مقرر کی ہے مگر وہ اس صورت میں ہے، جب کہ چار گواہوں کے ذریعہ جرم ثابت ہو گیا ہو یا ملزم نے خود اپنے جرم کا اعتراف کرلیا ہو۔یہاں دونوں میں سے کوئی بھی صورت موجود نہیں ہے۔اس لئے شوہر کے حلفیہ بیان کی تردید نہ کرنے پر عورت کو زنا کی انتہائی سزا دینے کے لئے کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔لہٰذا عورت کو زنا کی کم سے کم سزا ہی دی جاسکتی ہے یعنی سو کوڑے۔

حنفی مسلک ایسی صورت میں عورت کے لئے حَبس (قید) کی سزا تجویز کرتا ہے یعنی جب تک عورت شوہر کے بیان کی حلفیہ تردید نہیں کرتی اسے قید میں رکھا جائے گا مگر یَدْرَاٴُعَنْهَا الْعَذَابَ (سزا عورت پر سے ٹل جائے گی۔۔۔۔۔) میں سزا سے مراد حَبس (قید) لینے کے لئے کوئی قرینہ نہیں ہے۔قریب ہی میں (آیت ۲ میں) زنا کی سزا بیان ہوئی ہے اور زنا ہی سے متعلق سلسلۂ بیان میں یَدْرَاٴُعَنْهَا الْعَذَابَ (عورت سے سزا اسی صورت میں ٹل سکتی ہے جب کہ وہ ۔۔۔۔) فرمایا گیا ہے۔اس لئے یہاں سزا سے ذہن اسی سزا کی طرف منتقل ہوتا ہے جو آیت ۲ میں بیان ہوئی ہے یعنی سو کوڑوں کی سزا۔

لعان کی صورت میں نکاح فسخ (Dissolve) ہوجاتا ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ: ''نبی ﷺ نے انصار کے ایک مرد اور عورت کے درمیان لعان کرایا اور ان دونوں کو جدا کر دیا۔(بخاری کتاب الطلاق) لعان کا حکم تورات میں بھی موجود ہے مگر اس تفصیل کے ساتھ نہیں جو قرآن نے بیان کی ہے۔(ملاحظہ ہو گنتی ۵:۱۱ تا ۳۱)

۱۴؎ یعنی یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے پر پیچ عائلی مسائل میں تمہاری رہنمائی کی، اور یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لئے مشکلات سے نکلنے کی صورت پیدا کردی، اگر ایسا نہ ہوتا تو تم مشکل میں پڑ جاتے۔وہ توبہ قبول کرنے والا ہے اس لئے اس نے گنہگاروں کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر سکتے ہیں اور اس کی رحمت کے مستحق بن سکتے ہیں۔وہ حکمت والا ہے اس لئے اس کے یہ احکام وقوانین حکمت ومصلحت پر مبنی ہیں۔اس کو غیر حکیمانہ اور غیر معقول وہی لوگ خیال کرتے ہیں جو اللہ کے صاحب حکمت ہونے پر یقین نہیں رکھتے۔

واضح رہے کہ آیت میں لولا (اگر ایسا نہ ہوتا) کا جواب عربی کے بلاغت کے اصول پر محذوف ہے۔یعنی الفاظ میں بیان نہیں ہوا ہے۔مگر فحوائے کلام سے جو مفہوم واضح ہوتا ہے اسے ہم نے قوسین میں بیان کیا ہے۔

۱۵؎ اشارہ ہے جھوٹ کے اس طوفان کی طرف جو منافقین نے کسی پاکدامن مؤمنہ کے خلاف اٹھایا تھا۔یہ گروہ شامل تو تھا مسلمانوں میں لیکن نہ صرف یہ کہ اس نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا، بلکہ اس کا مخالف اور مسلمانوں کے درپئے آزار تھا۔وہ محض اپنے قبیلہ کے مسلمان ہوجانے یا اس قسم کے دوسری مصلحتوں کی بنا پر اسلام لایا تھا۔حقیقۃً اسے اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، بلکہ اس سے بغض رکھتا تھا اور اپنے اس بغض کی بنا پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتا رہتا تھا۔غزوہ احزاب (۵ھ) کے بعد اس نے مسلم سماج کی ساکھ کو متاثر کرنے کے لئے شریف مسلمان خواتین کو بدنام کرنے، بے حیائی کا

چرچا کرنے اور جھوٹی افواہیں پھیلانے کا کام شروع کیا۔اس موقع پر وہ ایک عفت مآب مؤمن خاتون کے خلاف ایک گھناؤنا قصہ گھڑ لایا اور اس بہتان کو اس طرح پھیلانا شروع کیا کہ بعض غیر محتاط مسلمان بھی اس کا چرچا کرنے میں شریک ہو گئے۔منافقوں کے اسی نئے فتنہ کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔اور ان مسلمانوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے جنہوں نے جھوٹی افواہوں سے متاثر ہو کر برائی کا چرچا کرنے میں حصہ لیا تھا۔

قرآن نے یہ صراحت نہیں کی کہ وہ کون خاتون تھیں جن کے خلاف طوفان کھڑا کیا گیا تھا۔اس لئے اس کا تعین ضروری نہیں اور چونکہ اس کا چرچا کرنے سے روکا گیا ہے جیسا کہ آگے کی آیت سے واضح ہے۔اس لئے صحابہ کرام نے اس آیت کی تفسیر میں طوفان کا وہ واقعہ نقل نہیں کیا جو اس وقت پیش آیا تھا۔اس لئے اس بات کی کھوج لگانے کی کوشش بالکل غیر ضروری اور نامناسب ہے، کہ یہ تہمت کس خاتون پر لگائی گئی تھی اور کیا افسانہ تراشا گیا تھا۔بے حیائی کے جھوٹے قصے بیان کرنے سے خواہ وہ تردید ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔اس لئے ان کو نقل نہ کرنا ہی مناسب ہے اور سلامتی کی راہ یہی ہے کہ قرآن کے اجمالی بیان پر اکتفاء کر کے متعلقہ احکام پر نگاہوں کو مرکوز کیا جائے۔رہیں وہ روایتیں جن میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا قصہ بیان ہوا ہے تو قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔کیوں کہ قرآن کا بیان عام مؤمن عفیفہ عورتوں سے متعلق ہے جیسا کہ آیت ۱۲/ اور ۲۳ سے واضح ہے۔اس میں کوئی اشارہ بھی نبی ﷺ کی کسی زوجۂ مطہرہ کی طرف نہیں ہے۔اگر واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانے کا ہوتا تو تہمت لگانے والوں کا جرم اور سنگین ہو جاتا کہ یہ لوگ مؤمنوں کی ماں (ام المؤمنین) کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں۔نیز انہوں نے اپنی اس حرکت سے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی ہے اور خاندان نبوت کی بدنامی کا باعث ہوئے ہیں، لیکن اس قسم کی کوئی بات ان آیات میں اشارۃً بھی مذکور نہیں ہے۔پھر ان روایتوں پر اسناد کے لحاظ سے بھی کلام کی گنجائش ہے اور متن (مضمون) کے اعتبار سے تو بہت سی باتیں ناقابل تسلیم ہیں۔ان روایتوں میں سے سب سے زیادہ مشہور اور مبسوط روایت زہری کی ہے، جو مشہور تابعی تھے۔یہ روایت بخاری، مسلم اور دیگر کتب حدیث میں تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔نیز سیرت ابن ہشام میں بھی یہ ابن اسحٰق سے نقل ہوئی ہے۔اس روایت کو یہاں نقل کرنا باعث طوالت ہوگا۔نیز یہ بات مناسب بھی نہیں معلوم ہوتی کہ ایک ایسی روایت کو قرآن کی تفسیر میں جگہ دی جائے جس کو بیان کرنے میں انقباض محسوس ہوتا ہے۔اس لئے ہم مختصراً یہ بیان کرنے پر اکتفاء کریں گے کہ کن وجوہ سے یہ روایت قابل قبول نہیں ہے۔

(۱) سب سے پہلی بات جو اس روایت میں کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ جب نبی ﷺ تک اس بہتان کی اطلاع پہنچ گئی تو آپ کی نظر التفات حضرت عائشہ کی طرف نہیں رہی درآنحالیکہ حضرت عائشہ ان دنوں بیمار رہیں۔آپ صرف خیریت معلوم کر کے چلے جاتے اس لئے حضرت عائشہ نے محسوس کیا کہ ضرور کوئی بات ہے۔پھر جب ام مسطح نے حضرت عائشہ کو مطلع کیا کہ ان پر تہمت لگائی گئی ہے تو ان کو سخت صدمہ ہوا اور وہ روتی رہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس افواہ کو سن کر اس کی فوراً تردید نہیں کی اور حضرت عائشہ کے کچھ پوچھے بغیر اور معاملہ کی تحقیق کئے بغیر ان سے بدگمان ہو گئے۔حالانکہ نبی ﷺ کی شان سے یہ بعید ہے کہ آپ ایسا طرز عمل اختیار کریں اپنی زوجۂ مطہرہ کے ساتھ، جس کی عفت اور پاکدامانی شک سے بالاتر ہو۔قرآن تو اہل ایمان سے کہتا ہے کہ تم نے جب بہتان کا قصہ سنا تو ایک دوسرے کے بارے میں نیک گمان کیوں نہیں کیا؟ اور یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔(آیت ۱۲) قرآن کے اس عتاب کا رخ ان مسلمانوں کی طرف ہے جنہوں نے ایک پاکدامن خاتون پر لگائے گئے بہتان کی فوراً تردید نہیں کی۔مگر مذکورہ روایت کو قبول کرنے کی صورت میں نبی ﷺ کے طرز عمل کی توجیہ کرنا مشکل ہے اور کوئی ایسی روایت جس سے منصب نبوت پر حرف آتا ہو قابل رد ہے۔

(۲) اس روایت میں دوسری بات نبی ﷺ کی طرف یہ منسوب کی گئی ہے کہ جب آپ نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رو رہی ہیں تو حضرت علی اور اسامہ کو بلایا اور ان سے اپنی اہلیہ کو چھوڑ دینے کے بارے میں مشورہ چاہا۔اسامہ نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کے گھر والوں کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے اور حضرت علی نے کہا اللہ نے آپ پر تنگی نہیں فرمائی ہے۔عائشہ کے علاوہ بہ کثرت عورتیں موجود ہیں (یعنی آپ دوسری عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں) آپ باندی سے پوچھ لیجئے وہ آپ کو سچ سچ بتائیں گی۔آپ نے بُریرہ کو بلا کر پوچھا تو بریرہ نے کہا میں نے ان میں کوئی بات ایسی نہیں دیکھی جو شک پیدا کرنے والی ہو۔

یہ بات بھی باور کرنے کے قابل نہیں ہے کہ ایک ایسے مسئلہ میں جواز دواجی زندگی سے متعلق تھا، اسامہ جیسے کم عمر لڑکے سے مشورہ کیا ہوگا۔پھر یہ بات بھی

کتنی عجیب ہے کہ ایک لونڈی سے تو پوچھیں، لیکن اپنی دوسری ازواج سے نہ پوچھیں، سوائے زینب کے۔ حضرت علی سے تو آپ مشورہ کریں لیکن حضرت ابوبکر اور حضرت عمر جیسے جلیل القدر صحابہ کو بالکل نظر انداز کر دیں۔ روایت میں حضرت ابوبکر سے اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ آپ نے اُن کو اس طرف توجہ دلائی ہو کہ ان کی بیٹی کے بارے میں لوگوں میں کیا چہ می گوئیاں ہو رہی ہیں۔ پھر حضرت علی کا جواب بھی کچھ واجبی واجبی سا تھا۔ بجائے اس کے کہ ان کی زبان سے وہ کلمات نکلتے جن کی توقع ایک مؤمن سے کی جا سکتی ہے، یعنی قرآن کے ارشاد کے مطابق سُبْحَانَکَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ (خدایا تو پاک ہے۔ یہ تو بڑا بہتان ہے) بلکہ انہوں نے کہا کہ عائشہ کے علاوہ آپ کو بہت سی دوسری عورتیں مل سکتی ہیں۔ ایک زیر تحقیق مسئلہ میں یہ کیا جواب ہوا؟ حضرت علی کے بارے میں ہمیں یہ بدگمانی نہیں ہے کہ انہوں نے ایسا جواب دیا ہوگا، بلکہ یہ راوی کی اپنی ذہنی اپج ہے جو یہ تاثر دیتی ہے کہ حضرت علی پہلے ہی سے حضرت عائشہ کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ اس سے راوی (زہری) کے بارے میں شیعی ذہنیت کا شبہ ضرور ہوتا ہے۔

(۳) مذکورہ روایت میں ہے کہ حضرت علی سے مشورہ کرنے کے بعد نبی ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ کون میری مدافعت کرے گا اس شخص سے جس نے میرے اہل بیت کے بارے میں مجھے اذیت پہنچائی ہے۔ اور اللہ کی قسم میں نے اپنے گھر والوں میں اچھائی ہی دیکھی ہے۔ اور جس شخص پر یہ الزام لگا رہے ہیں اس میں بھی اچھائی ہی دیکھی ہے۔ اس پر سعد بن معاذ نے کہا اگر وہ الزام لگانے والا شخص قبیلۂ اوس سے ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر قبیلۂ خزرج سے ہے تو آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ یہ سنتے ہی سعد بن عبادہ کھڑے ہو گئے اور سعد بن معاذ سے کہا آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ ہرگز اسے قتل نہیں کر سکتے۔ سعد بن معاذ نے کہا ہم اسے ضرور قتل کریں گے۔ تم تو منافق ہو اور منافقوں کی طرف سے بول رہے ہو۔ قریب تھا کہ اوس اور خزرج لڑ پڑیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ٹھنڈا کر دیا۔

نبی ﷺ کی موجودگی میں انصار کے دو قبیلوں کا اس طرح جھگڑنا نا قابل یقین ہے۔ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ دونوں جلیل القدر صحابی ہیں ان کے بارے میں ہرگز یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے ایک دوسرے پر ذاتی حملے کئے ہوں گے۔ یہ روایت ان کے کردار کو مجروح کرتی ہے۔ یہ بات بھی بہت عجیب ہے کہ اگر یہ واقعہ پیش آیا تھا تو حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کس طرح خاموش رہے اور نبی ﷺ کی حمایت میں کیوں نہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ باتیں اس روایت کو بالکل مشکوک بناتی ہیں۔

(۴) روایت میں آگے بیان ہوا ہے کہ نبی ﷺ حضرت عائشہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے عائشہ مجھے تمہارے بارے میں یہ خبریں پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ تمہاری برأت ظاہر کر دے گا اور اگر واقعی تم سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے تو اللہ سے معافی مانگو اور توبہ کرو کہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو وہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں یہ سن کر میرے آنسو خشک ہو گئے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا اے عائشہ اللہ نے تمہاری برأت نازل فرمائی۔

اس روایت سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ نبی ﷺ حضرت عائشہ سے بدگمان ہو گئے تھے جو آیت ۱۲ کی روشنی میں، جس میں اہل ایمان کو آپس میں نیک گمان رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے۔ پھر آپ کا حضرت عائشہ سے یہ کہنا کہ اگر تم سے گناہ سرزد ہوا ہے تو توبہ کرو، کا مطلب یہ ہوا کہ اگر حضرت عائشہ سے اتنا بڑا گناہ سرزد ہوا تھا تو اس کیلئے ان کا توبہ کرنا کافی تھا۔ حالانکہ اس صورت میں ان پر اسلام کا تعزیری قانون نافذ ہوتا اور نبی ﷺ انہیں اپنی زوجیت میں کبھی نہ رکھتے، کیوں کہ یہ بات ناموس نبی کو مجروح کرنے والی ہوتی۔ معلوم ہوا کہ یہ قصہ محض افسانہ ہے۔

(۵) سورۂ نور سے پہلے سورۂ احزاب نازل ہو چکی تھی، جس میں نبی کی ازواج کو امہات المؤمنین (مؤمنوں کی مائیں) قرار دیا گیا تھا۔ نیز رسول کو اذیت دینے والوں کو لعنت کا مستحق ٹھہرایا گیا تھا۔ اس کے بعد کون ایسا مسلمان ہو سکتا تھا جو اپنے ایمان میں مخلص بھی ہوتا اور امہات المؤمنین میں سے کسی پر تہمت لگانے کی جسارت کرتا؟

(۶) اس فتنے کا اصل ذمہ دار منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبَی تھا۔ لیکن اس روایت میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت عائشہ کی برأت والی آیات نازل

ہونے کے بعد اس پر حدِ قذف جاری کی گئی۔ البتہ دوسری روایتوں میں حضرت مسطح پر جو ایک بدری صحابی ہیں، حضرت حسان بن ثابت پر جو دربار نبوی کے شاعر ہیں، اور حضرت حمنہ بن جحش پر حدِ قذف جاری کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ جس نے اس طوفان کو اٹھایا تھا اس کو تو کوئی سزا دی ہی نہیں گئی البتہ جو لوگ اس سے متاثر ہو گئے تھے انہیں سزا دیدی گئی۔ جب کہ قرآن کہتا ہے جس شخص نے اس بہتان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔

حضرت مسطح بدری صحابی ہیں اس لئے اتنے غیر ذمہ دار نہیں ہو سکتے کہ ام المؤمنین پر تہمت لگائیں۔ حضرت حسان اپنی شاعری کے ذریعہ کافروں کو منہ توڑ جواب دیا کرتے تھے اور وہ اس میدان کے مجاہد تھے۔ کیا ایسی شخصیتوں کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ کے خلاف بہتان لگانے میں حصہ لیں گے؟ اگر بالفرض انہیں کوئی شبہ ہو گیا تھا تو وہ نبی ﷺ کے علم میں لا سکتے تھے۔ آپ کے علم میں لائے بغیر آپ کے گھر والوں کو بدنام کرنے کی کوشش کسی مؤمن کا کام نہیں ہو سکتا، کجا کہ کسی صحابیٔ رسول کے بارے میں یہ رائے قائم کی جائے۔ پھر حضرت حسان کو تو سیرت ابن ہشام کی روایت کے مطابق نبی ﷺ نے انعامات سے نوازا، کیوں کہ حضرت صفوان نے برہم ہو کر ان پر تلوار سے حملہ کر دیا تھا اگر وہ قذف کے مرتکب ہو کر مردود الشہادۃ ہو گئے تھے تو آپ ان کو انعامات سے کیسے نوازتے! حمنہ حضرت زینب کی بہن تھیں اور اس روایت کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر حضرت زینب نے حضرت عائشہ کے بارے میں اچھی رائے کا اظہار کیا تھا۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ حضرت حمنہ نے ان تمام حقائق کو نظر انداز کر کے حضرت عائشہ پر تہمت لگانے میں حصہ لیا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت متعدد صحابہ کے کردار کو مجروح کرتی ہے۔

(۷) اسناد کے لحاظ سے بھی افک کی روایتوں میں کلام کی کافی گنجائش ہے۔ یہ طویل روایت تو ابن شہاب زہری سے مروی (منقول) ہے اور زہری کا شمار تو ثقہ راویوں میں ہوتا ہے مگر جیسا کہ حافظ ذہبی نے اسماء الرجال کی کتاب میزان الاعتدال میں صراحت کی ہے وہ کبھی تدلیس (گھپلا) بھی کیا کرتے ہیں۔

کان یدلس وہ نادر (روایتوں) میں تدلیس کیا کرتے **فی النادر** تھے۔'' (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۰)

تدلیس کا مطلب یہ ہے کہ روایت اصلاً جس راوی سے مروی ہے اس کی طرف اس کو منسوب نہ کرتے ہوئے کسی اور راوی کی طرف منسوب کی جائے، تاکہ اسناد کی اصل حقیقت پر پردہ پڑا رہے اور لوگوں کے لئے روایت قابل قبول بن جائے۔

اور ابن حجر لکھتے ہیں: **لا یثبت لہ السماع من عروۃ** ''عروہ سے ان کا سننا ثابت نہیں ہے۔'' (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۵۰)

زہری کے بارے میں ایک بات یہ بھی محسوس ہوتی ہے کہ وہ ایسی روایتوں کے راوی ہیں، جو حضرت عائشہ اور خلفائے راشدین کو معرض بحث میں لاتے ہیں۔ جس سے ان کے بارے میں شیعی ذہنیت کا شبہ ہوتا ہے۔ مگر چونکہ ان کا تعلق خلیفہ عبدالملک کے دربار سے تھا اس لئے انہوں نے درمیانی طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔

غرض زہری کی روایت کسی پہلو سے بھی اطمینان بخش نہیں ہے کہ اس کو اس آیت کی، جس میں افک کے کسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تفسیر قرار دیا جائے۔ رہیں دوسری روایتیں جس میں حضرت عائشہ پر تہمت کا مجملاً ذکر ہوا ہے تو ان پر بھی کلام کی کافی گنجائش موجود ہے۔ (اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے دیکھئے حکیم نیاز احمد صاحب کی کتاب ''روایت افک'' مطبوعہ مشکور اکیڈمی F/89/2 خالد بن ولید روڈ کراچی ۲۹۔)

۱۶۔ خیر اس وجہ سے کہ مسلمانوں کی سوسائٹی میں جو منافق شامل ہو گئے ہیں، ان کی اصلیت نمایاں ہو جائے گی۔ اسی طرح سادہ لوح مسلمانوں کو جو ان کی باتوں سے متاثر ہو گئے تھے سبق ملے گا، اور محتاط رہنے والے مخلص مسلمانوں کی شان میں اضافہ ہوگا اور وہ اپنے محتاط اور متقیانہ رویہ کی بنا پر اجر کے مستحق ہوں گے۔

۱۷۔ یعنی اس شرمناک جھوٹ کو پھیلانے میں جس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے وہ اللہ کے ہاں بہت بڑی سزا کا مستحق ہے۔

۱۸۔ یہ بات اگرچہ ایک مخصوص واقعہ کے تعلق سے کہی گئی ہے۔ مگر اس سے جو اصولی ہدایت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی پاکدامن مسلمان خاتون پر زنا کی تہمت لگائی جائے تو مسلمان مردوں اور عورتوں کو چاہئے کہ وہ بدگمانی میں مبتلا نہ ہوں۔ اور نہ صرف یہ کہ حسن ظن سے کام لیں بلکہ اس الزام کی تردید بھی کریں اور اس تردید کے لئے یہ بات بالکل کافی ہے کہ وہ کھلا بہتان ہے۔ آیت میں بات اگرچہ عورتوں کے تعلق سے کہی گئی ہے کیوں کہ کسی شریف خاتون پر تہمت کا معاملہ بڑے سنگین نتائج کا حامل ہوتا ہے، لیکن فحوائے کلام (انداز بیان) سے یہ بات بھی واضح ہے کہ پاکباز مسلمان مرد پر تہمت لگانا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔

۱۹؎ زنا کے الزام کو ثابت کرنے کے لئے قرآن نے چار گواہوں کی قید لگائی ہے۔ اگر کوئی شخص الزام عائد کرنے کے بعد چار گواہ پیش نہیں کرتا تو اللہ کے قانون میں وہ جھوٹا ہے۔ اگر بالفرض اس نے گواہوں کی عدم موجودگی میں زنا کے کسی واقعہ کو دیکھا تھا تو اسے چاہئے کہ اس کا چرچا نہ کرے، کیوں کہ نا کافی ثبوت کی بنا پر ملزم کو سزا تو نہیں دی جاسکتی۔ اور چرچا کرنے کا نقصان یہ ہوگا کہ سوسائٹی میں بے حیائی کی باتیں پھیلنے لگیں گی۔ گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے کیوں کہ قرآن نے دوسری جگہ صراحت کی ہے کہ: وَ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔ (طلاق:۲) ''اپنے میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ کرلو۔''

فاسقوں کی گواہی پر حد جاری نہیں کی جاسکتی۔ رہا یہ سوال کہ کیا عورتوں کی گواہی اس معاملے میں قابل قبول ہے؟ تو جمہور فقہاء حدود و قصاص کے معاملہ میں عورت کی گواہی کو قابل قبول نہیں قرار دیتے۔ لیکن قرآن نے اس کی تصریح نہیں کی ہے۔ اور نہ کسی صحیح حدیث میں یہ بات بیان ہوئی ہے۔ قرآن کے احکام مردوں اور عورتوں سب کے لئے یکساں ہیں الا یہ کہ کوئی دلیل کسی حکم کو مردوں کے لئے خاص کر رہی ہو۔ سورۂ بقرہ میں قرض کے معاملہ میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو قابل قبول قرار دیا گیا ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ زنا اور قتل جیسے عینی مشاہدہ کے معاملوں میں عورتوں کی گواہی کو ساقط الاعتبار مانا جائے چنانچہ عطاء اور حماد نے زنا کے ایک مقدمہ میں تین مردوں اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی تھی۔ اور ابن حزم کے نزدیک ایک مرد کی جگہ دو عادل مسلمان عورتوں کی گواہی قبول کرنا جائز ہے۔ (التشریع الجنائی ج ۲ ص ۴۱۱)

زنا بالجبر کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی ایک ضرورت بن کر سامنے آسکتی ہے۔

۲۰؎ منافقوں کے اٹھائے ہوئے فتنہ میں کچھ کم فہم مسلمان بھی شریک ہو گئے تھے۔ اسی پر یہاں گرفت کی گئی ہے کہ اس قسم کے فتنہ کے نتائج بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ وہ تو اللہ کا فضل ہوا کہ اس نے بروقت تمہیں اس پر متنبہ کر کے ایک بڑے عذاب سے بچا لیا۔ لہٰذا تمہیں اللہ کا شکر گزار ہونا چاہئے اور آئندہ کے لئے محتاط ہونا چاہئے۔ اس آیت میں تنبیہ کا جو پہلو ہے وہ اگرچہ زنا کے بہتان کے تعلق سے ہے لیکن اس میں تنبیہ کا یہ عام پہلو بھی مضمر ہے کہ اگر مسلمان، منافقوں کے فتنوں کا شکار ہو گئے تو انہیں بدترین نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان جب سبائی فتنہ کا شکار ہو گئے تو ان کے اندر تلوار چلی اور وہ خلافتِ راشدہ سے محروم ہو گئے۔

۲۱؎ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ لوگ ان کو معمولی سمجھ کر زبان پر لاتے ہیں اور ان کو نقل کرنے لگتے ہیں۔ لیکن وہ اخلاقاً غیر ذمہ دارانہ، شرعاً بہت بڑے گناہ کا موجب اور نتائج کے اعتبار سے نہایت خطرناک ہوتی ہیں۔ اس لئے آدمی کسی کے خلاف محض سنی سنائی باتوں پر یقین نہ کرے اور غیر ذمہ دارانہ باتیں کرنے سے احتراز کرے۔

۲۲؎ اس سے یہ اصولی رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ آدمی کو سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہئے بلکہ اپنی سوجھ بوجھ سے کام لینا چاہئے۔

حدیث میں آتا ہے: كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔ (مسلم)

''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرے۔'' (مسلم)

اسی طرح روایات کے بارے میں بھی اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ جو روایتیں اللہ، اس کے رسول، نیز رسول کے مخلص ساتھیوں پر کھلے بہتان کی حیثیت رکھتی ہوں، ان کو فوراً رد کر دینا چاہئے۔ اس کاوش میں پڑے بغیر کہ اس کی اسناد کیسی ہیں اور اس کے راوی کون ہیں۔ کیوں کہ جو بات بالبداہۃ غلط ہو وہ بہر صورت قابلِ رد ہے۔ اس کی واضح مثال تلک الغرانیق (بتوں کی تعریف) والی وہ روایت ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی گئی ہے اور جس کی تردید ہم سورۂ حج نوٹ ۹۱؎ میں کر چکے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾

[19] جولوگ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلے ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا ہے ۲۳۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ۲۴۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾

[20] اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی (تو تم کو بُرے نتائج کا سامنا کرنا پڑتا مگر اس نے تمہیں بچایا) اور یہ کہ اللہ شفیق ورحیم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢١﴾

[21] اے ایمان والو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اور جو کوئی شیطان کے نقش قدم پر چلے گا تو وہ اسے بے حیائی اور برائی ہی کا حکم دے گا۔ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص بھی پاک نہ ہوسکتا ۲۵۔ مگر اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۲۶۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾

[22] تم میں جو لوگ صاحبِ فضل اور صاحبِ حیثیت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی اعانت نہیں کریں گے۔ انہیں چاہئے کہ معاف کریں اور درگذر سے کام لیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ۲۷۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾

[23] جولوگ پاکدامن بے خبر ۲۸، مؤمن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی۔ اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾

[24] جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾

[25] اس دن اللہ انہیں پورا پورا بدلہ دے گا ایسا بدلہ جو حق ہے اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی ہے حق۔ حقیقت کو آشکارا کرنے والا۔ ۲۹۔

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۖ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾

[26] خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کیلئے۔ اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کیلئے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کیلئے ۳۰۔ یہ لوگ بری ہیں ان باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں ۳۱۔ ان کیلئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔

۲۳۔ بے حیائی (فحش) کی اشاعت ایک جامع بات ہے، جس میں زنا، تہمتِ زنا، بے حیائی کی باتوں کا چرچا کرنا اور انسان کو زنا کی طرف مائل کرنے والی باتیں اور حرکتیں کرنا سب شامل ہیں۔ موجودہ زمانہ میں اشاعتِ فحش کے موڈرن طور طریقے ایجاد ہو گئے ہیں۔ مثلاً نائٹ کلب، مخلوط تیراکی کے مظاہرے، عشق بازی کا جنون پیدا کرنیوالی فلمیں، جنسی بے راہ روی پیدا کرنے والے اور اخلاق سوز گانے، ذہنوں پر عورت کا بھوت سوار کرانے والے اشتہارات، حسن کے مقابلے، ٹی وی پر عورتوں کے بے ڈھنگے پن کے مظاہرے، ہیجان انگیز ناولیں اور افسانے، اخبارات و رسائل میں عورتوں کی برہنہ و نیم برہنہ تصویریں اور ڈانس کے پروگرام وغیرہ۔

چونکہ بے حیائی انسان کے وقار کو کھو دیتی، اس کی عزت کو خاک میں ملاتی اور اس کے اخلاق کو تباہ کرتی ہے۔ اس لئے مسلم معاشرہ میں بے حیائی پھیلانیوالوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کے لئے نہ صرف آخرت میں بلکہ دنیا میں بھی دردناک سزا ہے۔ اور یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اسلامی حکومت ایسے لوگوں کے لئے کڑی سزائیں تجویز کرے۔ جرم کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے سزائیں تجویز کرنا اور ان کو نافذ کرنا اس آیت کے منشاء کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے۔

۲۴۔ یعنی تم نہیں جانتے کہ بے حیائی کی اشاعت کے نتائج کتنے دوررس اور سنگین ہوتے ہیں۔

۲۵۔ یعنی پاکیزہ صفت لوگوں کو شیطان کے زیر اثر غرور نفس میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، بلکہ انہیں یہ سمجھنا چاہئے کہ جو پاکیزگی انہیں حاصل ہوئی ہے وہ اللہ کی توفیق سے ہوئی ہے۔ اخلاقی پاکیزگی اللہ کا فضل بھی ہے اور اس کی رحمت کا مستحق بنانے والی چیز بھی۔

۲۶۔ یعنی نفس کا تزکیہ اور اخلاق و کردار کو سنوارنے کا کام اللہ ہی کی توفیق پر منحصر ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے زر خالص بنا دیتا ہے مگر اس کے فضل کی یہ بانٹ غلط نہیں ہو سکتی، کیوں کہ وہ بندوں کے احوال سے بخوبی واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون پاکیزگی کا طالب ہے اور اپنی اس طلب میں کتنا مخلص ہے۔ اس موقع پر وہ دعا بھی پیش نظر رہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے:

اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِی تَقْوَاھَا وَ زَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکَّاھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَ مَوْلٰھَا۔

''اے اللہ میرے نفس کو تقویٰ عطاء فرما اور اس کا تزکیہ کر دے۔ تو بہتر تزکیہ کرنے والا ہے۔ تو اس کا رفیق اور مددگار ہے۔''

(مشکوٰۃ کتاب الدعوات بحوالہ مسلم)

۲۷۔ مسلمانوں میں کچھ لوگ اپنی کم فہمی کی بنا پر منافقوں کے اس پروپگنڈے کا شکار ہو گئے تھے، جو انہوں نے بعض پاکدامن مؤمن عورتوں کے خلاف شروع کیا تھا۔ خاص طور سے وہ عورتیں جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں ان کو بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں سخت تنبیہات نازل فرمائیں تو بعض حضرات نے جو ان قصوروار مسلمانوں کی مدد کرتے تھے قسم کھا بیٹھے کہ وہ اب ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اس آیت میں انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ایسی قسمیں نہ کھائیں اور ضرورتمندوں کی مدد سے ہاتھ نہ روکیں۔ انہیں چاہئے کہ درگذر سے کام لیں۔ اگر وہ اللہ سے اپنے لئے معافی کے خواہاں ہیں تو انہیں اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے قصور بھی معاف کر دینے چاہئیں۔

قرآن نے یہ بات کسی خاص شخص کے بارے میں نہیں کہی ہے، بلکہ عام قرابتداروں، مسکینوں اور مہاجرین کے بارے میں کہی ہے۔ یعنی ان میں سے جن لوگوں سے بھی قصور سرزد ہوا ہے ان کی مالی اعانت سے وہ ہاتھ کھینچ نہ لیں۔

آیت سے یہ شرعی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی نیک کام کو نہ کرنے کی قسم کھا بیٹھے تو اسے ایسی قسم توڑ دینی چاہئے۔

۲۸۔ بے خبر (غافلات) سے مراد وہ سیدھی سادی عورتیں ہیں جن کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ وہ کبھی بدکاری کی مرتکب ہو سکتی ہیں۔ یا ان پر تہمت لگائی جا سکتی ہے۔ ان کو نہ بے حیائی کی باتوں سے دلچسپی ہوتی ہے اور نہ ان کے رنگ ڈھنگ بُرے ہوتے ہیں۔

۲۹۔ یعنی دنیا میں تو بہت سی باتوں پر پردہ پڑا رہتا ہے لیکن قیامت کے دن ہر بات کی حقیقت بالکل کھل کر سامنے آئے گی۔ جو جھوٹ دنیا میں بولے گئے تھے

ان کی قلعی کھل جائے گی اور بے گناہوں پر جو الزام تراشیاں کی گئی تھیں ان کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی۔ اس روز لوگوں کو اس بات کا اچھی طرح احساس ہوگا کہ اللہ حق ہے اس لئے وہ عدل کرتا ہے اور عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے ان پردوں کو اٹھاتا ہے جن میں سچائیاں مستور ہو کر رہ گئی تھیں۔

۳۰۔ یہاں خبیث سے مراد بدکار ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خبیث عورتوں کے لئے خبیث مرد ہی موزوں ہیں اور خبیث مردوں کے لئے خبیث عورتیں۔ اسی طرح طیب یعنی پاکیزہ عورتوں کے لئے پاکیزہ مرد ہی موزوں ہیں اور پاکیزہ مردوں کے لئے پاکیزہ عورتیں۔

اس موزونیت کا تقاضا ہے کہ پاکیزہ عورتوں کا رشتہ پاکیزہ مردوں ہی سے کیا جائے اور پاکیزہ مرد، پاکیزہ عورتوں ہی سے بیاہ کریں۔

۳۱۔ یعنی پاکیزہ عورتوں اور پاکیزہ مردوں کے خلاف تہمت کا جو فتنہ کھڑا کیا گیا ہے اس کا جھوٹ ہونا بالکل کھلی بات ہے۔ با اخلاق عورتوں اور با اخلاق مردوں پر بدکاری کی تہمت لگانے سے ان کا دامن داغدار نہیں ہوتا۔ وہ ان جھوٹے الزامات سے بالکل بری ہیں۔

الزامات سے بری ہونے کی بات یہاں عمومیت کے ساتھ کہی گئی ہے۔ یعنی تمام پاکیزہ عورتوں اور مردوں کے بارے میں یہ ایک اصولی بات ہے۔ کسی واقعہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ مانوس ہو کر اجازت حاصل نہ کرلو اور گھر والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے تا کہ تم سوجھ بوجھ سے کام لو۔ اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ مل جائے۔ اور اگر تم سے واپس ہونے کے لئے کہا جائے تو واپس ہو جاؤ۔ یہ طریقہ تمہارے لئے خوب پاکیزہ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ بخوبی جانتا ہے۔ (القرآن)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ مانوس ہو کر اجازت حاصل نہ کرلو اور گھر والوں کو سلام نہ کرلو ۳۲۔ یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم سوجھ بوجھ سے کام لو۔ ۳۳۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

۲۸ اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ مل جائے ۔ اور اگر تم سے واپس ہونے کے لئے کہا جائے تو واپس ہو جاؤ ۳۴۔ یہ طریقہ تمہارے لئے خوب پاکیزہ ہے ۳۵۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ بخوبی جانتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹ اور تمہارے لئے اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ ان غیر رہائشی مکانوں میں داخل ہو جاؤ جن میں تمہارے فائدہ کا سامان ہے ۳۶۔ تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو اللہ سب جانتا ہے۔ ۳۷۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰ مؤمن مردوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں ۳۸۔ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں ۳۹۔ یہ طریقہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اس سے اللہ باخبر ہے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۡ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ ۡ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَاۗىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَاۗءِ ۡ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱ اور مؤمن عورتوں سے کہو وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں ۴۰۔ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں ۴۱۔ اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں بجز اس کے جو ظاہر ہو جائے ۴۲۔ اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالیں ۴۳۔ اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں کے سامنے یا اپنے باپ یا اپنے شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں یا اپنی بہنوں کے بیٹوں یا اپنی عورتوں یا اپنے مملوکوں یا ان مردوں کے سامنے جو تابع ہوں اور (عورتوں سے) غرض نہ رکھتے ہو یا ان بچوں کے سامنے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی آشنا نہ ہوئے ہوں ۴۴۔ اور اپنے پاؤں (زمین پر) مارتی ہوئی نہ چلیں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے وہ معلوم ہو جائے ۴۵۔ اور اے مؤمنو! تم سب اللہ کے حضور توبہ کرو ۴۶۔ تاکہ فلاح پاؤ ۔ ۴۷۔

۳۲۔ اب وہ احکام دیئے جارہے ہیں جو گھریلو زندگی کو شائستہ بنانے اور بہت سے فتنوں کی راہ بند کرنے والے ہیں۔ اس سلسلہ کا پہلا حکم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہو۔ متن میں لفظ **تَستأنِسُوْا** استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ انس کے ساتھ اجازت حاصل کرنے کے ہیں۔ اور یہاں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے کو صاحب خانہ سے متعارف کرا کے اس کی رضامندی کے ساتھ گھر میں داخل ہونے کی اجازت حاصل کر لی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ وہی شخص گھر میں داخل ہو جس کا داخل ہونا صاحب خانہ پسند کرے اور اجازت دیدے۔

جب اجازت دیدے تو اندر داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کرنا چاہئے کہ یہ گھر میں داخل ہونے کے آداب میں سے ہے اور اس بات کا اظہار بھی کہ وہ گھر والوں کے لئے سلامتی کی دعائیں لئے ہوئے داخل ہو رہا ہے، اس لئے اس سے امن ہی کی توقع کی جاسکتی ہے۔

اجازت طلب کرنے کا جو معروف طریقہ ہو وہ اختیار کرنا چاہئے۔ دروازہ پر دستک دینا یا گھنٹی بجانا موجودہ زمانہ کا معروف طریقہ ہے۔ اس کے بعد اگر صاحب خانہ باہر آئے تو پہلے اسے سلام کرنا چاہئے اور جب وہ اندر آنے کے لئے کہے تو داخل ہوتے ہوئے گھر والوں کو سلام کرنا چاہئے۔

۳۳۔ یعنی اخلاقی اور دینی پہلو سے یہ نہایت شائستہ طریقہ ہے اور اس شائستگی کی تعلیم تمہیں اس لئے دی جارہی ہے تاکہ تم سوجھ بوجھ سے کام لو۔ بالفاظ دیگر اس تعلیم کے زیر اثر تمہیں تمام گھریلو معاملات و مسائل میں ہوش مندی کا ثبوت دینا چاہئے۔ اس حکم سے اس اصولی بات کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے کہ حقِ خلوت۔ (Right of Privacy) ہر شخص کا اپنا حق ہے۔

۳۴۔ یعنی رہائشی مکانوں میں بلا اجازت کسی حال میں داخل نہیں ہونا چاہئے۔ گھر میں کسی کے موجود نہ ہونے کی صورت میں بھی اور اسی صورت میں بھی جب کہ صاحب خانہ کسی وجہ سے اندر نہ بلائے۔ ایسی صورت میں آدمی کو خاموشی کے ساتھ واپس جانا چاہئے اور اس بحث میں نہیں پڑنا چاہئے کہ اس نے کیوں اجازت نہ دی۔ ہوسکتا ہے کوئی مصلحت یا مجبوری مانع ہوئی ہو۔

۳۵۔ یعنی اخلاقی لحاظ سے یہ طریقہ پاکیزہ ہے۔

۳۶۔ مراد وہ مکانات ہیں جو عام قاعدے کے ہوتے ہیں اس لئے اس میں داخلہ کی عام اجازت ہوتی ہے۔ مثلاً مسافر خانے، سایہ کے لئے بنی ہوئی جگہیں، دکانیں، ہوٹلیں، کھلے دفاتر، وغیرہ

۳۷۔ یعنی تم کسی نیت سے کہاں داخل ہوتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے اس لئے اس سے ڈرو اور اپنی نیتیں درست رکھو۔

۳۸۔ غضِ بصر (نگاہیں نیچی رکھنے) کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کا دیکھنا جائز نہیں ہے اس سے نگاہوں کو بچا لیا جائے۔ اگر اچانک نگاہ پڑے تو اس کو پھیر لیا جائے۔ یہاں خاص طور سے جیسا کہ سیاق کلام سے واضح ہے عورتوں کو دیکھنے سے (بجز اپنی بیوی اور محرم عورتوں کے) نگاہوں کو بچانا ہے۔ نگاہیں چونکہ شہوت کی محرک ہیں اور شہوت بے حیائی پر آمادہ کرتی ہے اس لئے قرآن نے نگاہوں پر پہرے بٹھانے کا حکم دیا ہے۔ نیچی نگاہیں شرم وحیاء کی علامت ہیں اور نفس اور اخلاق کی پاکیزگی کا ذریعہ۔ اسلام شرم وحیا کے معاملہ میں اہل ایمان کو اتنا حساس دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ عورتوں پر نگاہ غلط بھی نہ ڈالیں۔ تانک جھانک کرنا، نظریں جمانا اور گھور کر دیکھنا بڑی بداخلاقی کی بات ہے، اور شر کا باعث۔ قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ ''وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے۔'' (المؤمن: ۱۹)

یہ گویا تانک جھانک کرنے والوں کیلئے تنبیہ ہے۔ **غضِّ بصر** کا حکم گھر اور باہر دونوں سے متعلق ہے۔ ایک مسلمان جب کسی کے گھر میں داخل ہو تو وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھے اور تانک جھانک نہ کرے اور جب راہ چل رہا ہو تو اجنبی عورتوں کو دیکھنے سے احتراز کرے۔ اگرچہ یہ کام مشکل ہے مگر جنت کی راہ مشکلات سے ہو کر ہی گذرتی ہے۔ پھر یہ مشکل ایسی نہیں ہے کہ آدمی کے اختیار سے باہر ہو کیوں کہ قرآن نے نگاہیں پست کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ آنکھیں بند کر لینے کا۔ جس طرح **وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ** (لقمان: ۱۹) میں **غُضِّ صوت** کا مطلب آواز کو بند کرنا نہیں بلکہ پست کرنا ہے۔ اسی طرح غضِ بصر کا مطلب آنکھوں کو بند

کرنا نہیں بلکہ نگاہوں کو پست کرنا ہے۔لہٰذا بلاضرورت عورت کے محاسن پر نظر ڈالنا ناجائز ہے اور شہوت کی نظر سے دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے۔نبی ﷺ کا ارشاد ہے: زِنَا الْعَیْنِ النَّظَرُ ''آنکھ کا زنا نظر ہے۔'' (بخاری کتاب الاستیذان)

انجیل میں بھی اس کو زنا سے تعبیر کیا گیا ہے:

''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔'' (متی ۵:۲۷،۲۸)

اگر اچانک نظر پڑے تو اس کو پھیر لینا چاہئے۔حدیث میں آتا ہے کہ جریر بن عبداللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نگاہ کے اچانک پڑ جانے کے بارے میں پوچھا: فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَصْرِفَ بَصَرِیْ ''تو آپ نے فرمایا کہ اپنی نگاہیں پھیر لو۔''

۳۹۔ شرم گاہوں کی حفاظت کے مفہوم میں ان کو پوشیدہ رکھنا بھی شامل ہے اور حرام کاری سے بچنا بھی۔

جسم کا وہ حصہ جس کو دوسروں کے سامنے کھولنے میں انسان فطرۃً شرم محسوس کرتا ہے ستر (اور عربی میں عورہ) کہلاتا ہے۔مرد کا ستر جمہور فقہاء کے نزدیک ناف سے گھٹنہ تک کا حصہ ہے مگر قرآن کا انداز فقہی ناپ تول کا نہیں ہے بلکہ وہ انسانی فطرت کو جگا کر اور اخلاقی حس کو بیدار کر کے کہتا ہے: **ولباس التقویٰ ذٰلِکَ خَیْرٌ** (اعراف:۲۶) ''اور تقویٰ کا لباس بہترین لباس ہے۔''

ظاہر ہے جو شخص بھی تقویٰ کا لباس اختیار کرے گا، وہ زیادہ سے زیادہ ساتر لباس استعمال کرے گا۔قرآن نے برہنگی کو شیطان کا فتنہ قرار دیا ہے۔

''اے اولاد آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں بہکاوے، جس طرح اس نے تمہارے والدین کو (بہکا کر) جنت سے نکلوایا تھا۔اور ان کے لباس اتروادئے تھے تاکہ ان کے ستر انہیں دکھادئے۔'' (اعراف۔۲۷)

۴۰۔ نظریں نیچی رکھنے کا حکم جس طرح مردوں کو دیا گیا ہے اسی طرح عورتوں کو بھی دیا گیا ہے۔جب کوئی شخص اجازت لیکر گھر میں داخل ہو تو گھر کی عورتوں کو چاہئے کہ وہ اس شخص پر نگاہیں نہ جمائے، اسی طرح جب عورتیں باہر نکلیں تو اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔بلاضرورت اجنبی مردوں کو دیکھنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

اس حکم کے منشاء کو سمجھ کر اگر نیک نیتی کے ساتھ اس کی تعمیل کی جاتی ہے تو روزمرہ کی زندگی میں جو واقعی ضرورتیں عورت کے مرد کو دیکھنے اور مرد کے عورت کو دیکھنے کے تعلق سے پیش آتی ہیں ان کو پورا کرنے سے اسلام نہیں روکتا، کیوں کہ مقصود حرج پیدا کرنا نہیں ہے مثلاً شناخت یا گواہی کی غرض سے عورت کا مرد کو دیکھنا مجمع عام پر نگاہ ڈالنا وغیرہ۔

۴۱۔ شرمگاہوں کی حفاظت میں ستر پوشی بھی شامل ہے۔

۴۲۔ زینت سے مراد لباس بھی ہے اور آرائش کی چیزیں بھی۔لباس کو قرآن میں زینت سے تعبیر کیا گیا ہے:

خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف۔۳۱) ''ہر مسجد کے پاس (عبادت کے موقع ومحل میں) اپنی زینت لئے رہو۔''

قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاساً یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشاً۔ (اعراف۔۲۶)

''ہم نے تم پر لباس اتارا ہے کہ تمہاری ستر پوشی بھی کرے اور زینت کا ذریعہ بھی ہو۔''

اور لسان العرب میں ہے: وَالزِّیْنَۃُ مَا یُتَزَیَّنُ بِہٖ ''زینت یعنی وہ چیز جس کے ذریعہ آرائش کی جائے۔'' (لسان العرب ج ۱۳ ص ۲۰۲)

آرائش کی مثال سرمہ، مہندی، انگوٹھی وغیرہ ہیں۔

آیت میں عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں بجز اس زینت کے جو ظاہر ہو جائے۔اس استثناء کا واضح مطلب یہ ہے کہ جو زینت کام کاج اور چلنے پھرنے کے تعلق سے کھلی رہتی ہے اس کے کھلے رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔کیوں کہ اس کی غرض زینت کو دوسروں پر ظاہر کرنا نہیں بلکہ ضرورۃً زینت کو

کھلا رہنے دینا ہے۔ یہ استثناء اگر چہ زینت کے اظہار سے متعلق ہے لیکن تبعاً اس میں وہ اعضاء شامل ہو جاتے ہیں جو اس زینت کا محل ہیں، یعنی ہاتھ اور چہرہ، کیوں کہ ظاہر ہونے والی زینت مہندی اور انگوٹھی ہے جس کا محل ہاتھ ہیں اور سرمہ اور کاجل ہے جس کا محل آنکھیں ہیں جو چہرہ کا جز ہیں۔ اس لئے اگر ہاتھ اور چہرہ اپنی زینت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے تو عورت کو اس کی رخصت ہے۔ اس رخصت نے پردہ کے احکام میں اعتدال کی صورت پیدا کر دی ہے اور عورت کیلئے کام کاج میں جو حرج پیدا ہو سکتا تھا اس کو رفع کر دیا ہے۔ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں چہرہ کا پردہ کرتی تھیں اور نہیں بھی کرتی تھیں۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم کی حدیث ہے: ''عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ فضل (بن عباس) رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھے۔ بنی خشعم کی ایک عورت آئی تو فضل اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ ان کی طرف دیکھنے لگی۔ نبی ﷺ نے فضل کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا۔ اس عورت نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اللہ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے اور میرے والد پر فرض ہے۔ لیکن وہ بہت بوڑھے ہیں اس لئے سواری پر بیٹھ نہیں سکتے تو کیا میں اُن کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا جی ہاں۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع کا ہے۔'' (مسلم کتاب المناسک)

معلوم ہوا عورت کا چہرہ کھلا تھا اس لئے اس پر نظر پڑ گئی صحیح مسلم ہی کی دوسری حدیث ہے:

''جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ عید کے دن، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک تھا۔ آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی بغیر اذان اور اقامت کے۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ کے سہارے کھڑے ہو گئے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت کی اور اس کی اطاعت کی ترغیب دی۔ لوگوں کو نصیحت کی اور سمجھایا۔ آپ نے فرمایا صدقہ کرو کیوں کہ تم میں سے اکثر جہنم کا ایندھن بننے والی ہیں۔ یہ سُن کر عورتوں کے درمیان سے ایک عورت جو پچکے ہوئے سیاہ رخساروں والی تھی، کھڑی ہو گئی اور اس نے پوچھا اے اللہ کے رسول ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا اس لئے کہ تم شکایت بہت کرتی ہو اور اپنے ساتھی کی ناشکری کرتی ہو۔ راوی کہتے ہیں یہ سن کر عورتیں اپنے زیور صدقہ کرنے لگیں۔ وہ اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالتے جاتی تھیں۔'' (مسلم کتاب صلاۃ العیدین)

ظاہر ہے سوال کرنے والی عورت کا چہرہ کھلا تھا اس لئے راوی کو اس کے رخسار پچکے ہوئے دکھائی دئے۔

حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں ستر میں داخل نہیں ہیں، چنانچہ احرام کی حالت میں عورت کو نقاب ڈالنے اور دستانے پہننے سے منع کیا گیا ہے۔

بخاری کی حدیث ہے : ''عورت احرام کی حالت میں نقاب نہ ڈالے اور نہ دستانے پہنے۔'' (بخاری۔ کتاب المناسک)

اور نماز کے بارے میں حدیث میں آتا ہے:

لَا تُقْبَلُ صَلَاۃُ الْحَائِضِ اِلَّا بِخِمَارٍ ۔ (ترمذی ابواب الصلاۃ) ''بالغ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں ہوتی۔''

اور اوڑھنی سے سر، کان، گردن، اور سینہ ڈھانک لیا جاتا ہے منہ نہیں ڈھانکا جاتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کے لئے چہرہ چھپانا ضروری نہیں، چنانچہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے۔ مغنی میں ہے:

''اس مسلک (حنبلی) میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عورت کے لئے نماز میں اپنا چہرہ کھولنا جائز ہے، اور یہ کہ چہرہ اور ہتھیلیوں کے سوا جسم کا کوئی حصہ کھولنا جائز نہیں ۔۔۔۔۔۔ اور اس بات پر بھی اہل علم متفق ہیں کہ آزاد عورت کو نماز میں اپنا سر ڈھانکنا چاہئے۔ (مغنی ج ۱ص ۶۰۱)

ہدایہ میں ہے : ''آزاد عورت کا پورا جسم ستر ہے سوائے چہرہ اور ہتھیلیوں کے۔'' (ہدایہ ج۱ ص ۳۹)

ابن رشد لکھتے ہیں:

''اکثر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کا پورا جسم ستر ہے بجز چہرہ اور ہتھیلیوں کے۔'' (بدایۃ المجتہد ج ۱ص ۱۱۱)

رہا قدموں کا سوال تو ام سلمہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لباس، اگر اتنا لمبا ہو کہ قدموں کے ظاہری حصہ کو ایک حد تک ڈھانک دے تو کافی ہے۔ (**قالت**

اذا اتنکشف اقدامھن قال فیر خین ذراعاً لا یزدن علیه۔ (مشکوٰۃ کتاب اللباس بحوالہ ترمذی)

ان دلائل سے واضح ہوا کہ عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں ستر میں سے نہیں ہیں کہ ان کا چھپانا واجب ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر محرم مردوں کے لئے بلا ضرورت ان کو دیکھنا جائز ہے۔ نظروں کو نیچا رکھنے کا حکم بلا ضرورت عورتوں کو دیکھنے کے لئے کوئی وجہ جواز فراہم نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا مطلب ہے کہ عورتیں لازماً اپنا چہرہ ہر وقت کھلا رکھیں۔ ازواج مطہرات چہرہ کا پردہ کیا کرتی تھیں اور بہتر یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے عورتیں نقاب ڈالی رہیں۔ ہم نے قرآن کی دی ہوئی رخصت کو زیادہ وضاحت کے ساتھ اس لئے پیش کر دیا تا کہ لوگ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ اسلام عورتوں کے لئے پردہ کی ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جو موجودہ دور میں قابل عمل نہیں ہیں۔ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر عورتیں پردہ ہی کو ترک کر دیتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ رخصت کا پہلو بھی سامنے لایا جائے تا کہ اسلام نے پردہ کے جو کم سے کم حدود قائم کئے ہیں ان پر عورتیں کاربند رہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں ٹریفک کے بڑھتے ہوئے حادثات کے پیش نظر عورت اپنا چہرہ کھلا رکھنے پر مجبور ہے، بس ریل وغیرہ کا گھنٹوں اور دنوں کا سفر نقاب کی صورت میں گھٹن پیدا کر دیتا ہے، اس لئے نقاب اٹھائے بغیر چارۂ کار نہیں۔ خرید و فروخت اور لین دین کے موقع پر بھی ہتھیلیوں کا کھل جانا ایک معروف بات ہے۔ اس لئے پردہ کے احکام میں ایسی شدت پیدا کرنا کہ شریعت کی دی ہوئی رخصتیں ختم ہو جائیں نہ صحیح ہے اور نہ مفید۔

ہم یہاں مزید چند علماء کی رائیں پیش کرتے ہیں۔ علامہ مقدسی مغنی میں لکھتے ہیں:

''ضرورت داعی ہے کہ عورت خرید و فروخت کے لئے اپنا چہرہ کھولے اور لین دین کے لئے اپنی ہتھیلیاں کھولے۔'' (مغنی ج ۱ ص ۶۰۱)

علامہ ناصر الدین البانی نے پردہ کے مسئلہ پر ایک محققانہ کتاب ''حجاب المرأۃ المسلمہ'' لکھی ہے، جو المکتب الاسلامی بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں: ''حدیث عائشہ جو ابوداؤد میں ہے اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عورت کے لئے چہرہ اور ہتھیلیوں کو کھلا رکھنا جائز ہے اگر اس حدیث کی اسناد میں وہ بات نہ ہوتی جو ہم نے اپنے نوٹ میں بیان کی ہے (اشارہ ہے حدیث کے مرسل ہونے کی طرف)۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ ارشاد منسوب ہے کہ آپ نے حضرت اسماء کو ایسے کپڑوں میں دیکھ کر جس سے ان کا بدن جھلکتا تھا فرمایا عورت جب بالغ ہو جائے تو جائز نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ سوائے چہرہ اور ہتھیلیوں کے ظاہر ہو جائے۔) الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ یہ روایت مختلف طریقوں سے مروی ہونے کی بنا پر قوی ہے اور بیہقی نے اسے قوی قرار دیا ہے لہٰذا ایسی صورت میں مذکورہ بات کے جواز کی دلیل بن سکتی ہے خاص طور سے اس لئے بھی کہ اس پر عہد نبوت میں عورتیں عمل کرتی رہی ہیں چنانچہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں کو کھلا رکھتی تھیں اور آپ منع نہیں فرماتے تھے اور یہ بات متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ (حجاب المرأۃ المسلمہ ص ۲۴) آگے چل کر لکھتے ہیں:

''ہم نے جو کچھ بیان کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عورت کا اپنے چہرہ کو برقع وغیرہ سے جو موجودہ زمانہ میں معروف ہے ڈھانکنا یا کدامن عورتوں کے نزدیک ایک مشروع اور محمود بات ہے اگر چہ ایسا کرنا اس پر واجب نہیں ہے۔ بلکہ جس نے کیا اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج بھی نہیں۔'' (حجاب المرأۃ المسلمہ ص ۵۳)

شیخ علی طنطاوی لکھتے ہیں: ''خلاصہ یہ کہ عورت کا چہرہ اصلاً ستر نہیں ہے اور اکثر فقہاء (اصحاب مذاہب اربعہ) اس کے ستر نہ ہونے کے قائل ہیں لیکن چہرہ نہ کھولنا اکمل اور افضل ہے۔'' (فتاویٰ علی طنطاوی ص ۱۵۵)

سید قطب لکھتے ہیں:

رہی چہرہ اور ہاتھوں کے ظاہر ہونے والی زینت، تو اس کا کھولنا جائز ہے کیوں کہ چہرہ اور ہاتھ کھولنا مباح ہے۔'' (فی ظلال القرآن ج ۴ ص ۲۵۱۲)

ڈاکٹر یوسف قرضاوی فرماتے ہیں:

''چہرہ اور ہتھیلیوں کے بارے میں یہ رعایت اس لئے کر دی گئی ہے کہ ان کو چھپانا عورت کے لئے باعث حرج ہے، خاص طور سے ایسی صورت میں جب کہ اسے جائز ضرورت سے باہر نکلنا پڑے۔ مثلاً بیواؤں کو اپنی اولاد کی ضروریات کے لئے اور غریب عورتوں کو اپنے شوہروں کی معاونت کے لئے باہر نکلنا پڑے۔ ایسی صورت میں نقاب ڈالنے اور ہتھیلیاں چھپانے کی پابندی ان کے لئے مشکلات اور دشواریوں کا باعث ہوگی۔'' (اسلام میں حلال وحرام ص ۲۰۸)

اور مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

''حدیث اور آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ اور **کَفَّین** (ہتھیلیاں) **اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا** میں داخل ہیں کیوں کہ بہت سی ضروریات دینی و دنیوی ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر ان کے چھپانے کا مطلقاً حکم دیا جائے تو عورتوں کے لئے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آئے گی۔ آگے فقہا نے قدمین کو بھی ان ہی اعضاء پر قیاس کیا ہے اور جب یہ اعضاء مستثنیٰ ہوئے تو ان کے متعلقات مثلاً انگوٹھی یا مہندی، کاجل وغیرہ کو بھی استثناء میں داخل ماننا پڑے گا۔'' (تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی ص ۴۵۸)

بعض علماء نے **اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا** (مگر جو زینت ظاہر ہو جائے) سے مراد وہ چادر لی ہے جو اوپر سے اوڑھی جاتی ہے اور جس کا چھپانا ممکن نہیں یا ہوا کے جھونکے سے چادر کا اڑ جانا مراد لیا ہے۔ مگر یہ سراسر تکلف ہے اور جیسا کہ علامہ جصاص نے لکھا ہے یہ ایک بے معنیٰ بات ہے۔ کیوں کہ اگر یہی مراد ہوتا تو اس کو قرآن اس اہتمام کے ساتھ بیان نہ کرتا۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۳۸۹۔۳۹۰)

۴۳۔ اوڑھنی (خمار) اس کپڑے کو کہتے ہیں جو سر کو ڈھانک دے اور گریبانوں (جیوب) سے مراد لباس کا وہ حصہ ہے جو گردن اور سینہ کے پاس قطع ہوتا ہے۔ اوڑھنیوں کے آنچل گریبانوں پر ڈالے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ عورت سر پر اوڑھنی ڈال کر اس کے آنچل اپنے گریبانوں پر اس طرح ڈالے کہ سر، کان، گردن اور سینہ پوری طرح ڈھک جائے۔ نہ سر کی زینت ظاہر ہو نہ کان کی اور نہ گردن کی اور نہ ہی سینہ کا ابھار نمایاں ہو۔

اوڑھنی کا یہ حکم گھر کے لئے بھی ہے اور باہر کے لئے بھی اور باہر کے لئے ایک مزید حکم جلباب (چادر) کا بھی ہے مگر چونکہ چادر کھل جایا کرتی ہے جس سے گردن اور سینہ کے ظاہر ہونے کا احتمال ہوتا ہے اس لئے اوڑھنی بھی ضروری ہے۔ موجودہ دور میں برقع کا رواج ہے۔ اگر برقع اوڑھنی کے مقصد کو بھی پورا کرتا ہو یعنی گردن وغیرہ کے کھل جانے اور متعلقہ زینت کے ظاہر ہونے کا احتمال نہ ہو تو صرف برقع بھی کافی ہو سکتا ہے واللہ اعلم۔

گھر میں صاحب خانہ کی اجازت سے جب کوئی غیر محرم داخل ہو جائے تو اس سے پردہ کے کم سے کم حدود یہ ہیں۔ عورت ساتر لباس میں ہو اور دوپٹہ سے اپنا سر، کان، گردن، اور سینہ چھپالے اور چہرہ اور ہاتھ اور ان کی زینت کے علاوہ کوئی اور زینت یا جسم کا حصہ ظاہر نہ ہونے دے۔ لیکن اگر درمیان میں پردہ لٹکا دیا جاتا ہے یا مردوں کے لئے الگ کمرہ کا انتظام ہے تو یہ بہتر صورت ہوگی۔ ازواج مطہرات کے لئے کچھ مخصوص پابندیاں تھیں جن میں سے ایک پابندی یہ تھی کہ ان کے اور غیر محرموں کے درمیان پردہ حائل ہو۔ اگر کوئی چیز مانگی جائے تو پردہ کی آڑ سے مانگی جائے۔ (سورۂ احزاب آیت ۵۳) لیکن عام مسلمان خواتین کے لئے گھر کے پردہ کے معاملہ میں کسی حد تک نرمی برتی گئی ہے۔ اس نرمی کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ غیر محرم رشتہ داروں کے ساتھ رشتہ داری کے تعلق کو نبھانا آسان ہو جاتا ہے۔ ان کی آمد پر اگر درمیان میں پردہ حائل کر دیا جاتا ہے تو بہتر ہے۔ لیکن اگر اس سے حرج ہوتا ہو تو پردہ کے جن کم سے کم حدود کا ابھی ذکر ہوا ان کی پابندی کرنا کافی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر محرم کے لئے خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو خلوت کی اجازت ہے، بلکہ شوہر یا کسی محرم کی موجودگی میں عورت غیر محرم رشتہ داروں کے سامنے مذکورہ پابندیوں کے ساتھ آسکتی ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ دوپٹہ اتنا باریک نہیں ہونا چاہئے کہ بدن جھلکے کیوں کہ دوپٹہ تو اعضاء کو چھپانے کے لئے ہے نہ کہ گلے میں ڈالنے یا فیشن کا مظاہرہ کرنے کیلئے ہے۔ لہٰذا دوپٹہ کے لئے ایسا کپڑا استعمال کرنا چاہئے جس سے اس کا مقصد پورا ہوتا ہو۔

۴۴۔ اس فقرہ میں زینت کو ظاہر کرنے کی جو اجازت دی گئی ہے اس سے مراد عورت کا بناؤ سنگھار کے ساتھ سامنے آنا ہے۔ اور بناؤ سنگھار کے ساتھ عورت

جن کے سامنے آسکتی ہے ان کی تفصیل یہ ہیں:

(۱) شوہر

(۲) باپ، خسر، بیٹے، شوہر کے بیٹے، یعنی سوتیلے بیٹے، بھائی، بھتیجے اور بھانجے۔ یہ سب عورت کے لئے محرم ہیں (یعنی ان سے نکاح حرام ہے) اس لئے ان کے سامنے عورت، زینت (لباس اور زیورات وغیرہ) کے ساتھ بے تکلف آسکتی ہے ان کے علاوہ دیگر محرم بھی ہیں مثلاً چچا، ماموں، داماد، رضاعی بھائی وغیرہ جن کا ذکر یہاں نہیں ہوا۔ ان کا ذکر نہ کرنے سے قرآن کا اشارہ اس بات کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ عورت ان کے سامنے آسکتی ہے مگر زینت کا اظہار ان کے سامنے ضروری حد تک ہی ہونا چاہئے۔

(۳) **نسائِھِن** (اپنی عورتوں) سے مراد اپنے میل جول کی اور خدمت کرنے والی عورتیں ہیں۔ پوری زینت کے ساتھ ایسی ہی عورتوں کے سامنے آنے کی اجازت دی گئی ہے۔ رہیں دوسری عورتیں تو قرآن کا اشارہ اس بات کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے، اسی حد تک زینت کو ظاہر کیا جائے جس حد تک ظاہر ہونے میں فتنہ کی کوئی بات نہ ہو۔

(۴) مملوک میں لونڈی غلام دونوں شامل ہیں۔ غلام کو اسلام نے گھر کے ایک فرد کی حیثیت دی ہے اور اس کو جو خدمت انجام دینا پڑتی ہے اس کے پیش نظر ضرورت داعی ہے کہ گھر کی عورتوں پر غلام کے معاملہ میں پردہ کی پابندی نہ رہے۔ اب غلامی کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اس لئے غلاموں کا مسئلہ بھی نہیں رہا۔

(۵) ان مردوں کے سامنے جو تابع ہوں اور غرض نہ رکھتے ہوں سے مراد وہ خادم یا ملازم ہیں جو بڑھاپے کی وجہ سے یا بے عقل ہونے کے سبب اپنی کوئی شہوانی غرض نہ رکھتے ہوں۔ جوان ملازمین کیلئے یہ رخصت نہیں ہے۔

(۶) ''وہ بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوئے ہوں۔'' یعنی وہ نابالغ بچے جن پر نہ نسوانی راز کھل گئے ہوں اور نہ ان میں شہوانی احساسات بیدار ہوئے ہوں۔

۴۵۔ یعنی عورتوں کو اس طرح پاؤں مارتے ہوئے نہیں چلنا چاہئے کہ زیور کی جھنکار سنائی دے۔ یہ اشارہ ہے خاص طور سے پازیب کی طرف کہ ان میں گھنگرو یا بجنے والی کوئی چیز نہیں ہونی چاہئے اور نہ چلنے کا کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ پازیب سے کوئی چیز ٹکرا کر آواز پیدا کرے۔

آیت کے الفاظ **مایُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِھِن** ''جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے۔'' (اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ پازیب پاؤں میں چھپے ہوئے ہونے چاہئے۔ اجنبی مردوں پر ان کو ظاہر نہیں ہونے دینا چاہئے۔

پاؤں مارتے ہوئے نہ چلنے کی یہ ہدایت گھر کے لئے بھی ہے اور باہر کے لئے بھی۔ گھر میں جب کوئی غیر محرم اجازت لے کر داخل ہو تو عورتوں کو چاہئے کہ گھر میں چلتے ہوئے اس احتیاط کو ملحوظ رکھیں، اور جب باہر نکلنا ہو تو اس کا پورا پورا خیال رکھیں۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو دین زیوروں کی جھنکار کے معاملہ میں محتاط رہنے کی تعلیم دیتا ہو اور پاؤں زمین پر مارتے ہوئے چلنے کی ممانعت کرتا ہو، وہ عورتوں کی ناز و ادا کی چال کو اور ان کے رقص و سرود کو کب گوارا کر سکتا ہے۔

۴۶۔ توبہ کے معنی رجوع کرنے کے بھی ہیں اور گناہ سے تائب ہونے کے بھی۔ اس موقع پر تمام اہل ایمان کو اللہ کی طرف رجوع کرنے اور اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گھریلو زندگی کے سلسلہ میں جو ہدایات دی گئی ہیں ان کی پابندی کرو۔ اور اخلاقی پاکیزگی کے تعلق سے جو قصور اس سے پہلے تم سے سرزد ہو چکے ہوں، ان کے بارے میں اللہ سے معافی مانگو۔ اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کر لو۔

۴۷۔ واضح ہوا کہ فلاح ان قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہونے میں ہے نہ کہ ان کو پس پشت ڈال کر ''موڈرن'' اور ''فیشن پرست'' بننے میں۔

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جس میں چراغ ہو۔ چراغ شیشہ (قندیل) کے اندر ہو۔ شیشہ ایسا ہو جیسے چمکتا ہوا تارا۔ اس چراغ کو زیتون کے ایسے مبارک درخت سے جو نہ شرقی ہو نہ غربی روشن کیا جاتا ہو۔ اس کا تیل بھڑک اٹھنے کو ہو، گو آگ نے اس کو چھوا نہ ہو۔ نور پر نور۔ اللہ اپنے نور کی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کیلئے مثالیں بیان فرماتا ہے۔ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ (القرآن)

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۗءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۲

۳۲ اور تم میں سے جو لوگ مجرد (بغیر شوہر یا بیوی کے) ہوں اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کردو ۴۸؎۔ اگر وہ تنگ دست ہوں تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا ۴۹؎۔ اللہ بڑی وسعت والا علم والا ہے۔ ۵۰؎

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۠ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَي الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۳

۳۳ اور جو لوگ نکاح کی مقدرت نہ رکھتے ہوں وہ پاکدامانی اختیار کریں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے ۵۱؎۔ اور تمہارے مملوکوں میں سے جو (اپنے آزاد ہونے کے لئے) تحریری معاہدہ کرنا چاہتے ہوں ان کے ساتھ تحریری معاہدہ کرلو اگر تم جانتے ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے ۵۲؎۔ اور ان کو اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تمہیں دیا ہے ۵۳؎۔ اور اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں محض اس لئے کہ تمہیں دنیوی زندگی کے فائدے حاصل ہو جائیں ۵۴؎۔ اور جو ان کو مجبور کرے گا تو ان کے مجبور کئے جانے کے بعد اللہ (ان کیلئے) معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ۵۵؎

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۳۴

۳۴ ہم نے تمہاری طرف واضح احکام نازل کئے ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بھی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ۵۶؎۔ اور متقیوں کیلئے نصیحت بھی۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳۵

۳۵ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے ۵۷؎۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جس میں چراغ ہو ۵۸؎۔ چراغ شیشہ (قندیل) کے اندر ہو۔ شیشہ ایسا ہو جیسے چمکتا ہوا تارا۔ اس چراغ کو زیتون کے ایسے مبارک درخت سے جو نہ شرقی ہو نہ غربی روشن کیا جاتا ہو۔ اس کا تیل بھڑک اٹھنے کو ہو، گو آگ نے اس کو چھوا نہ ہو۔ نور پر نور ۵۹؎۔ اللہ اپنے نور کی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے ۶۰؎۔ اور اللہ لوگوں کیلئے مثالیں بیان فرماتا ہے۔ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ۶۱؎

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝۳۶

۳۶ (یہ چراغ روشن ہے) ایسے گھروں میں جن کو اللہ نے بلند کرنے اور جن میں اس کے نام کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے ۶۲؎۔ ان میں اس کی تسبیح کرتے ہیں صبح و شام۔

۴۸۔ متن میں لفظ اَیَامیٰ استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ محض بیواؤں کے نہیں ہیں، بلکہ ان مردوں اور عورتوں کے ہیں جو مجرد ہوں۔یعنی وہ مرد جن کی بیویاں نہ ہوا اور وہ عورتیں جن کے شوہر نہ ہوں۔ان کے نکاح کرادینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے متعلقین انہیں نکاح کی ترغیب دیں اور اس معاملہ میں ان کی مدد کریں۔اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ بیواؤں کے نکاح کو برا خیال کرنا صحیح نہیں۔اسلام بیواؤں کے نکاح کو نہ صرف جائز قرار دیتا ہے بلکہ اس کی ترغیب دیتا ہے۔

غلاموں اور لونڈیوں کے سلسلے میں بھی اسلام نے اصلاحی قدم اٹھایا۔اور اس بات کی ہدایت کی کہ ان میں سے جو صالح زندگی گزار رہے ہیں ان کے نکاح کر دیئے جائیں یہ ذمہ داری خاص طور سے ان کے مالکوں کی قرار پائی۔یہ اس سلسلۂ ہدایت کی ایک کڑی ہے جو زنا کے سد باب کے لئے دی جارہی ہیں۔

۴۹۔ یعنی نکاح کے معاملہ میں تنگ دستی مانع نہیں ہونی چاہئے بلکہ اللہ پر بھروسہ کر کے اس مبارک کام کو انجام دینا چاہئے۔جو شخص اللہ کے حکم کی تعمیل کرے گا اللہ اسے ضرور اپنے فضل سے نوازے گا۔اور یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ شادی کے بعد کتنے ہی غریبوں کی آمدنی میں اضافہ ہوا ہے اور کتنے ہی لوگ خوشحال ہو گئے ہیں۔مگر موجودہ دور کے نوجوانوں کا حال بھی عجیب ہے، جو جدید تہذیب کے زیر اثر ازدواج کی ذمہ داریوں سے کتراتے رہتے ہیں۔پچیس سال کی عمر تک تو وہ حصول تعلیم میں مشغول رہتے ہیں۔اس کے بعد پانچ سال معاشی جدوجہد میں اس طرح صرف کرتے ہیں کہ ان کا معیار زندگی قائم ہو جائے اور اتنا پس انداز ہو کہ وہ ٹھاٹ باٹ سے شادی کر سکیں۔اس طرح ان کی جوانی تجرد میں گذرتی ہے اور آدھی عمر کے بعد وہ رشتہ تلاش کرتے ہیں۔تہذیب جدید نے ایک طرف نابالغوں کو بالغ بنا دینے والا ہیجان انگیز ماحول بنایا ہے اور دوسری طرف شادی کی ذمہ داریوں سے کترانے کا رجحان پیدا کر دیا ہے۔نتیجہ یہ کہ بیشتر نوجوان بری طرح جنسی بے راہ روی کا شکار ہو رہے ہیں۔اور دوسری طرف لڑکیوں کو رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے ان کی شادی کی عمریں ضائع ہو رہی ہیں۔یہ صورتِ حال اصلاح طلب ہے اور قرآن کی ہدایت پر عمل کی متقاضی۔

۵۰۔ اللہ بڑی وسعت والا ہے۔اس لئے اس سے امید رکھو کہ وہ رزق میں کشائش اور فراخی پیدا کرے گا۔وہ علم والا ہے اس لئے وہ جانتا ہے کہ کون عفت کی زندگی چاہتا ہے اور تنگ دست ہونے کے باوجود، ازدواج کی ذمہ داریوں کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو گیا ہے۔

۵۱۔ یعنی جو لوگ واقعی مجبوریوں کی وجہ سے نکاح نہ کر سکتے ہوں۔مثلاً موزوں رشتہ نہ ملنے یا رہائش کا انتظام نہ ہونے کی بنا پر نکاح کو مؤخر کرنا پڑ رہا ہو، انہیں چاہئے کہ عفت کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیں۔اور جب اللہ ان کی مشکلات کو دور کر دے تو وہ ازدواجی زندگی اختیار کریں۔

۵۲۔ ''مکاتبت'' سے مراد وہ تحریری معاہدہ ہے، جو ایک غلام اپنے آقا کے ساتھ اپنی آزادی کے لئے کرتا ہے، جس میں مدت کے ساتھ رقم کا تعین ہوتا ہے۔اور غلام کو یہ موقع حاصل ہوتا ہے کہ وہ کسی دوسری جگہ محنت و مشقت کر کے رقم لائے اور قسطوار مالک کو ادا کر کے غلامی سے رہائی حاصل کرے۔

رہی یہ بات کہ ''اگر تم جانتے ہو کہ ان میں بھلائی ہے'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جن غلاموں کو آزاد کرنے سے سماج کے لئے کسی شر کا اندیشہ نہ ہو، بلکہ خیر کی توقع ہو ان کے ساتھ مکاتبت کر لی جائے۔اس احتیاط کی ضرورت خاص طور سے اس لئے بھی تھی، کہ اس وقت غلاموں کی بڑی تعداد جنگی اسیروں پر مشتمل تھی۔

غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے اسلام نے جو طریقے رائج کئے ان میں مکاتبت (تحریری معاہدہ) بھی ایک اہم ذریعہ تھا۔

۵۳۔ یہ ترغیب ہے غلاموں کی مدد کے لئے تاکہ وہ معاہدہ کے مطابق معاوضہ ادا کر کے آزادی حاصل کر سکیں۔جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دولت عطاء کی ہے ان کو چاہئے کہ گردنیں چھڑانے میں مال خرچ کریں۔

۵۴۔ فقرہ ''جب کہ وہ خود پاکدامن رہنا چاہتی ہوں'' صورت حال کو واضح کر رہا ہے۔یعنی یہ بڑی ہی ظالمانہ حرکت ہے کہ لونڈیوں کو ان کی مرضی کے خلاف پیشہ کے لئے مجبور کیا جائے۔اس وقت لونڈیوں کو ان کے مالک پیشہ کے لئے مجبور کرتے تھے، تاکہ ان کے ذریعہ جو کمائی ہو وہ انہیں حاصل ہو جائے۔یہاں اسی منکر سے روکا گیا ہے۔

۵۵۔ یعنی اگر لونڈیوں کو زنا کے لئے مجبور کیا جاتا ہے، تو اللہ ان کی مجبوری کو دیکھتے ہوئے انہیں معاف کرے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ اس سے یہ اصولی بات معلوم ہوئی کہ جس پاکدامن عورت پر زنا کے لئے جبر کیا جائے خواہ وہ لونڈی ہو یا آزاد، اس کو نہ زانیہ کہا جا سکتا ہے اور نہ وہ کسی سزا کی مستحق ہے۔ اس کے لئے تو اللہ کی طرف سے مغفرت اور رحمت کا وعدہ ہے بشرطیکہ اس نے بدکاری سے بچنے کی پوری کوشش کی ہو۔

رہے زنا کاری پر مجبور کرنے والے لوگ، تو قرآن ان کو آخرت ہی میں نہیں دنیا میں بھی دردناک سزا کا مستحق قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ اس سورہ کی آیت ۱۹ سے واضح ہے نیز سورہ مائدہ آیت ۳۳ میں جو سزائیں سوسائٹی میں فساد پھیلانے والوں کیلئے تجویز کی گئی ہیں۔ ان کے تحت حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ عورتوں کو اغواء کرنے والوں، ان کو زنا کیلئے مجبور کرنے والوں، اور قحبہ گری کے اڈے قائم کرنے والوں کو کڑی اور عبرت ناک سزا دے جو موت تک کی ہو سکتی ہے۔

۵۶۔ اشارہ ہے ان مفسد قوموں کے انجام کی طرف جنہوں نے اللہ کے احکام کی پروا نہیں کی اور اپنی خواہشات کے غلام بن کر برائیاں سمیٹتے رہے۔

۵۷۔ نور ایک نہایت لطیف، جمیل اور پاکیزہ چیز ہے۔ وہ خود بھی ظاہر ہوتا ہے اور اپنی روشنی سے دوسری چیزوں کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اللہ کے آسمانوں اور زمین کا نور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کائنات میں پوری طرح جلوہ گر ہے۔ وہ نہایت لطیف ہے، صاحب جمال ہے، پاک اور منزہ ہے اور اس کا وجود اپنے آپ ظاہر ہے۔ ورنہ اللہ نہ مادی معنیٰ میں نور ہے اور نہ اس مادی نور پر اسے قیاس کرنا صحیح ہے کیوں کہ لَیسَ کَمِثلِہٖ شَیءٌ (شوریٰ۔ ۱۱) ''اس جیسی کوئی چیز نہیں۔'' لہٰذا کسی فلسفیانہ بحث میں یا تاویلات کے چکر میں پڑے بغیر اللہ کے آسمانوں اور زمین کا نور ہونے کا جو سیدھا سادھا مفہوم ذہن میں آتا ہے اس پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ اللہ کی صفات کے بارے میں سلف صالحین کا یہی طریقہ تھا اور یہی سلامتی کی راہ ہے۔

۵۸۔ یہاں جو مثال بیان ہوئی ہے اس سے مقصود اللہ کی صفت نور کی ماہیت بیان کرنا نہیں ہے کیوں کہ اس کی ماہیت انسانی عقل کے ادراک سے باہر ہے بلکہ مقصود اس کے اس نور کی طرف رہنمائی کرنا ہے جو اس کائنات میں جلوہ گر ہے اور جس سے اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس نورِ معرفت کے کمال اور اس کی جلوہ آفرینیوں کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے۔

۵۹۔ جو چراغ طاق میں رکھا ہوا ہو وہ زیادہ روشن ہوتا ہے پھر اگر وہ شیشہ کے اندر یعنی قندیل میں ہو تو اس کی روشنی صاف ہوگی اور شیشہ اگر چمکتے ہوئے تارا کی طرح شفاف ہو تو اس کی روشنی نہایت درخشاں ہوگی۔ پھر اگر اس چراغ کو زیتون کے تیل سے جلایا گیا ہو، خاص طور سے زیتون کے اس درخت کے تیل سے جو کھلی جگہ میں ہونے کی وجہ سے صبح و شام اس پر سورج کی شعائیں پڑتی ہوں، کہ ایسے درخت کا تیل نہایت چمکیلا ہوتا ہے تو اس صورت میں اس چراغ کی روشنی نہایت تابناک ہوگی اور وہ روشنی پر روشنی دے رہا ہوگا۔ اس مثال سے مقصود نور کی انتہائی تابناکی کو واضح کرنا ہے۔

یہ تابناک نور معرفت الٰہی کا نور ہے جو اس کائنات میں جلوہ گر ہے مگر اس کو دیکھنے کے لئے بصیرت کی آنکھیں درکار ہیں۔

تمثیل میں زیتون کے درخت کو مبارک اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کے فوائد بہت ہیں اور اس کا تیل بڑا منفعت بخش ہوتا ہے۔ یہ درخت اگر پہاڑ پر یا میدان میں اس طرح کھڑا ہو کہ اس کے مشرقی یا مغربی جانب کوئی آڑ نہ ہو تو سورج کی شعائیں اس پر صبح و شام پڑیں گی۔ زیتون کے ایسے درخت کا تیل بڑا صاف اور ایسا چمکیلا ہوتا ہے کہ گویا بھڑک اٹھنے کو ہے۔

زیتون کی مثال یہاں معرفت الٰہی کے نور کے سلسلہ میں بیان ہوئی ہے لیکن ایک دوسرے پہلو سے دیکھئے تو یہ مثال اسلام پر بھی صادق آتی ہے کہ اسلام ایک مبارک دین ہے اور وہ شرقی ہے نہ غربی بلکہ آفاقی دین ہے۔ اسی طرح زیتون کے تیل کی مثال سلیم الفطرت انسان پر صادق آتی ہے جس کا دل توحید کا ساز چھیڑنے کو ہوتا ہے اور جب وحی الٰہی اسے توحید کا پیغام سناتی ہے تو وہ اس سے بالکل ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ فطرت کی رہنمائی کے ساتھ وحی (قرآن) کی رہنمائی روشنی پر روشنی (نورٌ علیٰ نور) کا مصداق بن جاتی ہے۔

۶۰۔ معلوم ہوا کہ اوپر جس نور کی مثال پیش کی گئی ہے اس کا تعلق ہدایت سے ہے اس لئے اس سے مراد معرفتِ الٰہی کا نور ہی ہے۔ اور معرفت الٰہی کا نور ہی

ایسا ہے جو پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہونے کے باوجود ان ہی لوگوں کو دکھائی دیتا ہے جو بصیرت کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ اللہ ایسے ہی لوگوں کی رہنمائی فرماتا ہے اور ایسے ہی لوگوں کو اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

آیتِ نور کا اس سورہ میں بلکہ پورے قرآن میں جو مقام ہے وہ ایسا ہے جیسے ایک عالیشان محل میں لعل درخشاں جڑا ہوا ہو۔ معرفت الٰہی کے نور سے جب دل میں ایمان کا نور پیدا ہو جاتا ہے تو مؤمن کی پوری زندگی منور ہو جاتی ہے۔ گھریلو اور عائلی زندگی ہو یا خارجی اور اجتماعی، ایمان کے نور سے زندگی کا ہر گوشہ روشن ہو جاتا ہے۔

۶۱ ؎ یعنی اللہ نے جو مثال بیان فرمائی ہے وہ علم کی بنیاد پر ہے اس لئے وہ بالکل موزوں ہے اور جو بات اس مثال کے ذریعہ واضح کی گئی ہے وہ سرتاسر حقیقت ہے۔

۶۲ ؎ مراد مسجدیں ہیں ان کو بلند کرنے کا مطلب تعمیر کرنا بھی ہے اور انکی تعظیم کرنا بھی، نیز مسجد کی عمارت کو مناسب حد تک اونچا اٹھانا بھی تاکہ مسجدوں کی عظمت کا تصور قائم ہو۔

مساجد کی تعمیر کو حدیث میں جنت کا مستحق بنانے والا عمل قرار دیا گیا ہے:

مَنْ بَنَى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ۔ (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ بحوالہ صحیحین)

''جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔''

اور مسجد کی تعظیم کرنے میں جہاں اس کو پاک صاف رکھنا، اس میں پاکیزہ حالت میں داخل ہونا۔ وہاں خرید وفروخت نہ کرنا اور کوئی ایسی بات نہ کرنا جو آدابِ مسجد کے خلاف ہو شامل ہے وہاں یہ بات بھی شامل ہے کہ نہ مسجد کے اندر کسی کی قبر بنائی جائے اور نہ کسی قبر کے اوپر کوئی مسجد تعمیر کی جائے کیوں کہ یہ بات مسجد کے تقدس کے سراسر خلاف ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔ (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ بحوالہ صحیحین)

''اللہ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا''۔

اور مسجدوں کی تعمیر کا مقصد یہ ہے کہ ان میں اللہ کے نام کا ذکر ہو یعنی وہاں اللہ ہی کے نام کا غلغلہ بلند ہو کہ مسجدیں اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں۔ بعض جاہل مسلمان اپنے پیر دستگیر کو بھی مسجد میں پکارنے سے نہیں چوکتے۔ ان کی یہ مشرکانہ دعائیں مسجد کے تقدس کو بری طرح پامال کرتی ہیں۔

❑❑❑❑❑❑

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾

۳۷ ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے، نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی ۶۳؎۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جب دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔ ۶۴؎

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

۳۸ تاکہ اللہ ان کو ان کے بہترین اعمال کی جزا دے اور اپنے فضل سے مزید نوازے ۶۵؎۔ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ ۶۶؎

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾

۳۹ جن لوگوں نے کفر کیا ۶۷؎ ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے صحرا میں سراب کہ پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو کچھ نہ پایا البتہ اللہ کو وہاں موجود پایا اور اس نے اس کا حساب پورا پورا چکا دیا ۶۸؎۔ اور اللہ حساب چکانے میں بڑا تیز ہے۔ ۶۹؎

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

۴۰ یا اس کی مثال ایسی ہے جیسے تاریکیاں گہرے سمندر میں جس کو موج پر موج ڈھانک رہی ہو اور اس کے اوپر بادل۔ تاریکیوں پر تاریکیاں ہوں۔ اگر اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ سکے ۷۰؎۔ جس کو اللہ نور نہ بخشے اس کے لئے کوئی نور نہیں۔ ۷۱؎

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰۗفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱ کیا تم دیکھتے نہیں ۷۲؎ کہ اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے بھی پر پھیلائے ہوئے۔ ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح معلوم ہے ۷۳؎۔ اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اس سے اللہ باخبر ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

۴۲ اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ۷۴؎۔ اور اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَاۗءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾

۴۳ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ بادلوں کو ہنکاتے ہوئے لے جاتا ہے پھر ان کو باہم ملا دیتا ہے پھر ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ ان کے درمیان سے بارش کے قطرے نکلتے ہیں ۷۵؎۔ اور وہ آسمان سے اولے برساتا ہے ان پہاڑوں سے جو اس کے اندر ہیں ۷۶؎ پھر جس پر چاہتا ہے آفت نازل کرتا ہے ۷۷؎ اور جس کو چاہتا ہے اس سے بچاتا ہے۔ اس کی بجلی کی چمک ایسی ہوتی ہے کہ نگاہوں کو اچک لے۔ ۷۸؎

۶۳۔ اوپر کی آیتوں میں گھروں میں داخل ہونے کے آداب اور گھریلو زندگی سے متعلق احکام بیان ہوئے تھے اور اس آیت میں اللہ کے گھروں کے آداب بیان ہوئے ہیں۔یعنی جب ذکر گھروں کا ہوا تو رخ اللہ کے گھروں کی طرف پھیر دیا گیا، اور قرآن کا طریق تربیت یہی ہے کہ وہ ذہنوں کو ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف اور فرع (شاخ) سے اصول (جڑ) کی طرف موڑ دیتا ہے۔ چنانچہ جب لباس کا ذکر ہوا تو ذہنوں کو تقویٰ کے لباس کی طرف موڑ دیا گیا۔(سورۂ اعراف آیت ۲۶)

اوپر کی آیت میں اللہ کی عبادت گاہوں کا ذکر ہوا جہاں سے اس کے نور کی ضیاء پاشی ہو رہی ہے اور اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اس نور سے کسبِ فیض کرتے رہتے ہیں۔ان کا بنیادی وصف یہ ہے کہ ان کو معاشی دوڑ دھوپ اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ وہ اپنی کاروباری مصروفیتوں اور خرید وفروخت کے معاملات طے کرتے ہوئے بھی اللہ کو یاد رکھتے ہیں، نماز وقت پر ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں برتتے۔

یہاں یہ بات آپ سے آپ واضح ہو رہی ہے کہ جو شخص کاروباری مصروفیتوں کے دوران اللہ کو یاد رکھے گا وہ کسبِ حلال ہی کے لئے جدوجہد کرے گا۔

آج مسلمانوں کا حال بڑا افسوسناک ہے۔ کتنے ہی لوگ کاروباری مصروفیتوں کے دوران نماز کو وقت پر ادا نہیں کرتے اور کتنے ہی ایسے ہیں جن کو نماز پڑھنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔ گویا نماز بھی فرصت کا کوئی کام ہے، اور کاروبار اس پر مقدم ہے۔سوچنے کا یہ انداز ہی سراسر دنیا پرستانہ ہے۔ ایسے فاسقوں کو اقامت الصلوٰۃ کی سعادت کس طرح نصیب ہوگی۔

۶۴۔ یعنی قیامت کے دن کی ہولناکی سے نہ دل ٹھکانے پر رہیں گے اور نہ آنکھیں۔

اہل ایمان اس دن کے خوف سے لرزاں رہتے ہیں اور یہ چیز ان کو سنجیدہ بناتی ہے اور ان کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرتی ہے اور جب بندہ میں احساسِ ذمہ داری پیدا ہوتا ہے تو وہ اللہ کی اطاعت کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔

۶۵۔ یعنی اللہ کے یہ بندے اپنے اندر یہ اوصاف جو پیدا کرتے ہیں تو اس کا ثمرہ انہیں یہ ملے گا کہ ان کے جو بہترین اعمال ہوں گے ان کو معیار قرار دے کر جزاء عطاء کی جائے گی مزید براں اللہ اپنے فضل خاص سے انہیں نوازے گا۔

۶۶۔ یعنی اتنا دیتا ہے کہ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ دینے میں نہایت فیاض ہے اور جن انعامات سے وہ اپنے ان مخلص بندوں کو نوازے گا اس کا تصور وہ اس دنیا میں نہیں کر سکتے۔

۶۷۔ قرآن کی اصطلاح میں کفر صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی خدا کے وجود کا انکار کر دے، بلکہ خدا کو مانتے ہوئے اس کی صفات کا انکار کرنا یا اس کے ساتھ شریک ٹھہرانا یا اس کی بلا شرکت غیرے عبادت کرنے سے انکار کرنا، اس کے رسولوں اور کتابوں میں سے کسی کو نہ ماننا، اس کی ہدایت کو قبول نہ کرنا، اس کی اطاعت اور اس کے احکام کو ماننے سے انکار کرنا اور آخرت پر یقین نہ رکھنا بھی کفر ہے۔اس لئے اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہئے کہ جو شخص اللہ کے وجود کا منکر ہو وہی کافر ہے بلکہ وہ شخص بھی کافر ہے جو خدا کا اقرار کرتے ہوئے، اس طرح خدا کو نہیں مانتا جس طرح ماننے کا حکم اللہ نے قرآن میں دیا ہے۔

۶۸۔ کافروں کے اعمال میں وہ تمام اعمال شامل ہیں جو خدا اور مذہب کی بنیاد پر وہ کرتے ہیں مثلاً مشرکین کا دان کرنا، خیراتی ادارے قائم کرنا، رفاہ عامہ کے کام وغیرہ اور مشرکین عرب تو حج بھی کرتے تھے۔اور جہاں تک یہود ونصاریٰ کا تعلق ہے وہ اپنے طریقہ پر اللہ کی عبادت بھی کرتے ہیں اور آسمانی شریعت کی کچھ باتوں پر عمل بھی کرتے ہیں۔اسی طرح جو مسلمان منافق ہیں وہ کبھی کبھی نماز بھی پڑھ لیتے ہیں اور دوسرے دینی کاموں میں بھی شریک ہو جاتے ہیں یہ سب کام نیکی کے ہونے کے باوجود چونکہ وہ کفر کی نجاست سے ملوث ہوتے ہیں اس لئے ان کے یہ سب کام بے حقیقت ہیں اور ان کا کوئی ثمرہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملنے والا نہیں اور نہ ان کے ان کارناموں کا کوئی صلہ انہیں ملے گا، جو قوم اور وطن کی خاطر انہوں نے انجام دئے ہوں گے۔

ان کے اعمال کے بے نتیجہ ہونے کو یہاں سراب کی مثال سے واضح کیا گیا ہے۔جس طرح ایک پیاسا صحرا میں سراب کو دیکھ کر اسے پانی گمان کر لے اور اس

امید پر وہاں جائے کہ وہ اپنی پیاس کو بجھا سکے گا مگر وہاں پہنچ کر اس کو معلوم ہو جائے کہ اس نے دھوکہ کھایا اسی طرح یہ کافر اگر یہ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد اگر جزا وسزا کا معاملہ پیش آ ہی گیا تو ان کے ان اعمال کا اجر ان کو اللہ کے ہاں ملے گا محض خوش فہمی ہے۔ قیامت کے دن انہیں معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے اپنے اعمال کے بارے میں جو امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں ان کی حقیقت سراب سے زیادہ کچھ نہیں۔ وہ جزا وسزا کے دن اللہ کو موجود پائیں گے اور وہ ان کے اعمال کا حساب پورے عدل کے ساتھ چکا دے گا۔

۶۹۔ قیامت کے دن اربوں اور کھربوں انسانوں کا حساب چکانے میں اللہ کو کچھ دیر نہ لگے گی۔

۷۰۔ یہ دوسری مثال کافروں کے جہل مرکب کی ہے کہ وہ جہالت کی تہ در تہ تاریکیوں میں اس طرح گھر گئے ہیں کہ انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔

۷۱۔ واضح ہوا کہ جس کو اللہ کی طرف سے روشنی نہیں ملتی اس کو پھر کہیں سے روشنی نہیں مل سکتی۔ اس کے لئے یہ بات مقدر ہے کہ وہ تاریکیوں میں بھٹکتا رہے۔

۷۲۔ اب وہ نشانیاں بیان کی جا رہی ہیں جن پر غور کرنے سے اللہ کی معرفت (پہچان) حاصل ہوتی ہے۔

۷۳۔ دیکھتے نہیں ''یہاں غور کرتے نہیں'' کے معنیٰ میں ہے۔ دعوت اس حقیقت پر غور کرنے کے لئے دی جا رہی ہے کہ آسمانوں کی مخلوق ہو یا زمین کی، سب اللہ ہی کی پاکی اور اس کے گن گاتے ہیں۔ فرشتے ہوں یا کوئی اور جاندار مخلوق، سب اپنے اپنے طریقہ پر نماز بھی پڑھتے ہیں اور تسبیح بھی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ پرندے جو فضا میں پَر پھیلاتے ہیں، وہ اللہ کے آگے بچھ جانے ہی کی علامت ہے۔ کوئل کی کوک، بلبل کی نغمہ سرائی، مرغ کی اذان اور چڑیوں کی چہچہاہٹ میں تسبیح کی گونج سنائی دیتی ہے بشرطیکہ آدمی گوش حقیقت نیوش سے سنے۔ علی الصبح جب چڑیائیں درخت پر جمع ہو کر چہچہانے لگتی ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اپنے رب کی تسبیح میں زمزمہ سنج ہیں اور صبح کی نماز میں مشغول ہیں۔ مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل نوٹ ۵۸۔ اور سورۂ حج نوٹ ۳۲۔

۷۴۔ یہ بات کہ اللہ بلا شرکت غیرے پوری کائنات کا بادشاہ ہے ایک کھلی حقیقت ہے مگر مشرکین اس کے اختیارات میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ مسلمان جن کی گھٹی میں بدعتیں پڑی ہیں اللہ کو اگر بادشاہ قرار دیتے ہیں تو رسول کو وزیر اعظم۔ (مختصر تفسیر نعیمی ص ۵۲۷) میں ہے ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت الٰہیہ کے گویا وزیر اعظم ہیں۔'' اللہ کی پناہ ایسی بدعتی تفسیر سے!

۷۵۔ بارش کے بادلوں کا یہ نظام عام مشاہدہ میں آنے والی چیز ہے لیکن اگر آدمی ہوائی جہاز میں سفر کر رہا ہو تو وہ اس کا بخوبی مشاہدہ کر لیتا ہے۔ اسے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادلوں کا ایک سمندر ہے جو زمین پر چھا گیا ہے۔ وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ بادل ادھر ادھر سے آ کر بڑی تیزی سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں پھر ان کے تہ بہ تہ ہونے کا سلسلہ تو کئی میل کی بلندی تک رہتا ہے۔ اور عجیب بات تو یہ ہے کہ بادل نیچے پانی برسا رہے ہوتے ہیں اور ہوائی جہاز ان کے اوپر سے گزرتا ہے۔ یہ مشاہدہ دعوت فکر دیتا ہے اور آدمی اگر غور کرے تو یہ بات بہ آسانی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ یہ سارے کام ایک منصوبہ کے تحت ہو رہے ہیں اور یہ اسی ہستی کی کارفرمائی ہے جس کا تصرف پوری کائنات پر ہے۔

۷۶۔ یہاں آسمان سے مراد بلندی ہے۔ بلندی پر سرد ہوا کی شدت سے بادل برف (Snow) سے بھر جاتے ہیں اور ان کے بڑے بڑے تودے ایسے ہوتے ہیں جیسے پہاڑ، پھر ان پہاڑ جیسے تودوں سے برف باری ہونے لگتی ہے۔

۷۷۔ بعض مرتبہ برف باری طوفان کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور اس سے زبردست نقصان پہنچتا ہے۔ راقم السطور کو چند سال قبل دُبئی میں ژالہ باری کے طوفان کو دیکھنے کا موقع ملا۔ برف کے گولے اوپر سے اس طرح برس رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا مشین گن سے گولیاں چلائی جا رہی ہیں اور گولوں کو دیکھ کر شبہ ہوتا تھا کہ کسی کارخانہ میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ راقم نے راہ چلتے ہوئے ایک دوکان میں پناہ لی تھی وہیں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا اور اللہ سے سلامتی کیلئے دعا کر رہا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس ژالہ باری سے زبردست تباہی ہوئی اور کتنے ہی راہ چلتے لوگ اس کی زد میں آ گئے۔ ایسے واقعات انسان کی آنکھ کھول دینے کیلئے کافی ہیں۔

۷۸۔ یعنی بجلی کی چمک نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی ہوتی ہیں۔

اللہ ہی رات اور دن کا الٹ پھیر کرتا ہے۔اس میں سبق ہے ان لوگوں کے لئے جو دیدۂ بینا رکھتے ہیں۔اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ان میں سے کوئی اپنے پیٹ کے بل چلتا ہے،تو کوئی دو پاؤں پر اور کوئی چار پاؤں پر۔اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ہم نے واضح کر دینے والی آیتیں نازل کی ہیں۔اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔(القرآن)

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

۴۴ اللہ ہی رات اور دن کا الٹ پھیر کرتا ہے ۷۹۔ اس میں سبق ہے ان لوگوں کے لئے جو دیدۂ بینا رکھتے ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾

۴۵ اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ۸۰۔ ان میں سے کوئی اپنے پیٹ کے بل چلتا ہے ۸۱، تو کوئی دو پاؤں پر ۸۲۔ اور کوئی چار پاؤں پر ۸۳۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے ۸۴۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

۴۶ ہم نے واضح کر دینے والی آیتیں نازل کی ہیں۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔ ۸۵۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷ یہ کہتے ہیں ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت اختیار کی۔ اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے۔ یہ لوگ ہرگز مؤمن نہیں ہیں۔ ۸۶۔

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک گروہ گریز کرتا ہے۔ ۸۷۔

وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹ لیکن اگر حق ان کی موافقت میں ہو تو رسول کے پاس بڑے فرمانبردار بن کر آتے ہیں۔ ۸۸۔

اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

۵۰ کیا ان کے دلوں میں روگ ہے یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ساتھ ناانصافی کریں گے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ خود ہی ظالم ہیں۔ ۸۹۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱ اہل ایمان کو تو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو کہتے ہیں ہم نے سنا اور اطاعت کی ۹۰۔ یہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے اور اللہ سے ڈریں گے اور پرہیزگاری اختیار کریں گے وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے۔ ۹۱۔

۷۹۔ علمِ فلکیات کی رو سے رات اور دن کا الٹ پھیر زمین کی محوری گردش کا نتیجہ ہے، مگر سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے جو زمین کو اس طرح گردش میں لا رہا ہے کہ طویل زمانہ گزرنے کے باوجود نہ اس کی رفتار میں کوئی فرق آیا اور نہ رات اور دن کے اوقات میں کوئی بے قاعدگی ہوئی؟

۸۰۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انبیاء نوٹ ۳۵۔

۸۱۔ پیٹ کے بل چلنے والے جانداروں کی مثال سانپ ہے اور پانی میں تیرنے والی مچھلی بھی۔

۸۲۔ دو پاؤں والے جانداروں میں انسان اور پرندے شامل ہیں۔

۸۳۔ چار پاؤں والے جانوروں میں چرنے والے مویشی بھی اور وحشی جانور بھی۔

۸۴۔ یعنی تخلیق کی اس گوناگونی میں اللہ ہی کا ارادہ کارفرما ہے۔

۸۵۔ یعنی یہ آیتیں توحید کو بالکل واضح کر دینے والی ہیں مگر ان سے ہدایات وہی لوگ پائیں گے جو اللہ کی مشیت کے تحت ہدایت کے مستحق قرار پائیں گے۔ اور اللہ کی مشیت حکیمانہ فیصلے ہی کرتی ہے۔

۸۶۔ یہ ان لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے جو ایمان کا دعویٰ تو کرتے تھے، لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کرتے تھے، یہ بات ایمان کے تقاضے کے بالکل خلاف تھی اس لئے ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ درحقیقت مؤمن نہیں ہیں، بالفاظ دیگر ایسے لوگ منافق ہیں۔

معلوم ہوا کہ ایمان اور اطاعت سے انکار دو متضاد باتیں ہیں، جس دل میں ایمان ہوگا اس کا اثر عمل سے ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔ وقتی طور پر کسی گناہ کا سرزد ہونا اور بات ہے اور سرے سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی کو ضروری نہ سمجھنا اور بات۔ پہلی چیز معصیت ہے اور دوسری چیز کفر۔

آج مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو ایک طرف اسلام سے عقیدت کا اظہار کرتی ہے اور دوسری طرف کتاب وسنت کی پیروی سے بالکل آزاد ہے۔ جہالت کی وجہ سے یہ لوگ خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ ان آیتوں کو غور سے پڑھ لیں جن میں منافقوں کا حال بیان ہوا ہے تو وہ ایمان کی حقیقت کو سمجھ لیں اور انہیں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی توفیق نصیب ہو۔

۸۷۔ اپنا مقدمہ رسول کے پاس لے جانے سے انکار کرنا یا باہم نزاعی امور کو قرآن وسنت کے سامنے پیش کرنے کے لئے آمادہ نہ ہونا ایک منافقانہ حرکت ہے، جس کی وضاحت سورۂ نساء نوٹ ۱۲۹۔ اور ۱۳۴۔ میں کی جا چکی ہے۔

۸۸۔ یعنی جب انہیں اندازہ ہوتا ہے کہ فیصلہ ان کے حق میں ہوگا تو سر تسلیم خم کرتے ہوئے رسول کے پاس دوڑے چلے آتے ہیں۔

یہی حال موجودہ دور کے منافقوں کا ہے۔ وہ شریعت کے صرف ان احکام کو لے لیتے ہیں جن سے ان کے مفادات وابستہ ہیں۔ یہ مفاد پرستی ہے نہ کہ شریعت کی اتباع۔

۸۹۔ یعنی ان کا یہ منافقانہ طرز عمل یا تو اس وجہ سے ہے کہ ان کے دلوں میں نفاق (منافقت) کی بیماری ہے، اس لئے ان کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ، یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں کہ آیا یہ احکام اللہ کے ہیں بھی؟ یا پھر وہ اللہ اور اس کے رسول سے اپنے لئے انصاف کی امید ہی نہیں رکھتے، اس لئے اس اندیشہ میں مبتلا ہیں کہ ان کی حق تلفی ہوگی۔ ان میں سے جو بات بھی ہو ایمان کے منافی ہے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ یہ اپنے ہی حق میں ظالم بن گئے ہیں۔ یعنی خواہش پرستی نے انہیں غلط کار اور اپنے ہی اوپر ظلم ڈھانے والا بنا دیا ہے۔

۹۰۔ یہ تو ہے مخلص مؤمنوں کا طرز عمل۔ لیکن موجودہ مسلمانوں کا طرز عمل یہ ہے کہ نہ وہ اللہ ورسول کی بات سننے کے لئے تیار ہیں اور نہ اطاعت کرنے کے لئے۔ بہت کم لوگ ہیں جو صحیح طرز عمل اختیار کئے ہوئے ہیں۔

واضح رہے کہ نبی ﷺ کے جو فیصلے احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں وہ ہم سب کیلئے متعلقہ امور میں واجب الاطاعت ہیں، اور اصولی رہنمائی کا سامان بھی۔

۹۱۔ یعنی بامراد ہونے کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اس طور سے ضروری ہے کہ دل میں اللہ کا ڈر اور اس کی معصیت سے بچنے کا جذبہ ہو۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳ یہ اللہ کے نام سے کڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر تم ان کو حکم دو تو نکل کھڑے ہوں گے ۹۲۔ ان سے کہو قسمیں نہ کھاؤ۔ معروف طریقہ پر اطاعت کرنا چاہئے ۹۳۔ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

۵۴ کہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی ۹۴۔ لیکن اگر تم روگردانی کرتے ہو تو (یاد رکھو) رسول پر وہ ذمہ داری ہے جس کا بار اس پر ڈالا گیا ہے اور تم پر وہ ذمہ داری ہے جس کا بار تم پر ڈالا گیا ہے۔ اگر اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ اور رسول پر اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں کہ صاف صاف (احکام) پہنچا دے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلافت (اقتدار) بخشے گا جس طرح ان لوگوں کو بخشی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے۔ اور ان کے لئے ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے مضبوطی عطا کرے گا۔ اور ان کی خوف کی حالت کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے، کسی کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کریں گے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔ ۹۵۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾

۵۷ کافروں کے بارے میں یہ خیال نہ کرو کہ وہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۚ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

۵۸ اے ایمان والو! تمہارے مملوک اور تم لوگوں کے وہ بچے جو ابھی بلوغ کو نہیں پہنچے تین اوقات میں تم سے اجازت لیا کریں۔ نماز فجر سے پہلے، دوپہر کو جب کہ تم کپڑے اتار کر رکھتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین اوقات تمہارے لئے پردہ کے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر اوقات میں (اجازت لئے بغیر ان کے آنے میں) نہ تم پر کوئی گرفت ہے اور نہ ان پر۔ تمہارا ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا جانا ہوتا۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں واضح فرماتا ہے۔ ۹۶۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ ۹۷۔

۹۲۔ یعنی یہ منافق قسمیں کھا کر یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اے پیغمبر، اگر تم انہیں جہاد کا حکم دو تو وہ ضرور نکلیں گے۔

۹۳۔ قسمیں وہی لوگ زیادہ کھاتے ہیں جن کا کردار قابل اعتبار نہیں ہوتا۔ یہاں منافقین سے کہا جا رہا ہے کہ جھوٹی قسمیں کھا کر اطاعت کا یقین دلانے کے بجائے اطاعت کا جو معروف اور معلوم طریقہ ہے وہ اختیار کرو کہ سچے مؤمنوں کا یہی طریقہ ہے۔

۹۴۔ ان آیتوں میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کی بھی بڑی تاکید کی گئی ہے اور اسے ایمان کا تقاضا قرار دیا گیا ہے۔ اللہ کی اطاعت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی کتاب یعنی قرآن کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیا جائے اور رسول کی اطاعت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی سنت کو جس کو اس نے اس امت میں رائج کیا اور جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے مضبوطی کے ساتھ تھام لیا جائے۔

۹۵۔ اس آیت میں اہل ایمان کے لئے خوشخبری ہے اور منافقوں کے لئے تنبیہ۔ منافق اس انتظار میں تھے کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔ انہیں متنبہ کیا گیا کہ وہ کسی خام خیالی میں نہ رہیں۔ خوف اور جنگ کی یہ حالت جس سے اس وقت اہل ایمان گزر رہے ہیں باقی رہنے والی نہیں۔ عنقریب ان کو اقتدار بخشا جانے والا ہے اور اس سرزمین پر اسلام کا مکمل غلبہ ہونے والا ہے۔

استخلاف کے معنیٰ خلیفہ بنانے کے ہیں، اور خلیفہ کے معنیٰ با اختیار اور با اقتدار کے ہیں۔

لسان العرب میں ہے:

وَالْخِلَافَةُ الْإِمَارَة ''خلافت کے معنیٰ امارت کے ہیں۔'' (لسان العرب ج ۹ ص ۸۳)

اور قرآن کی اصطلاح میں خلیفہ بنانے کا مطلب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اقتدار عطا کئے جانے کے ہیں، اور اس اقتدار سے مطلوب اختیارات کو اس کی شریعت کے مطابق استعمال کرنا ہے۔ بالفاظ دیگر خلیفہ مطلق العنان حاکم (Absolute Monarch) نہیں ہوتا بلکہ اس کی حیثیت اختیارات کو اللہ کی امانت سمجھ کر استعمال کرنے والے کی ہوتی ہے۔ اس معنیٰ میں ایک نبی بھی اقتدار پانے کے بعد خلیفہ ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں حضرت داؤد کو خلیفہ کہا گیا ہے۔ (سورۂ ص آیت ۲۶)

اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ مؤمنین، صالحین کو اقتدار اور حکومت سے سرفراز فرمائے گا بہت جلد پورا ہوا۔ فتح مکہ (رمضان ۸ھ ۶۳۰ء) اس اقتدار کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور نبی ﷺ کی زندگی ہی میں پورے عرب پر اسلام کا اقتدار قائم ہو گیا، پھر خلفائے راشدین کے زمانہ میں وقت کی دو عظیم الشان سلطنتیں فارس اور روم اسلام کی ابھرتی ہوئی طاقت سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں اور خلافت کے حدود ایران، عراق، شام اور مصر تک وسیع ہو گئے۔ مدینہ پر مشرکوں اور کافروں کے حملہ کا جو خطرہ لگا رہتا تھا وہ اس طرح ختم ہو گیا کہ اب کوئی طاقت بھی اس کی جرأت نہیں کر سکتی تھی، اور دین کو ایسی قوت فراہم ہو گئی تھی کہ ریاست کے نظام کو اسلام کے مطابق چلانے اور اس کے قوانین کو نافذ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہ گئی تھی۔ پورے عرب میں توحید کا غلغلہ ہوا، اور شرک سے عرب کی زمین یکسر پاک ہو گئی۔ اس طرح خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا دور قرآن کے اس وعدہ کا مصداق قرار پایا۔ مگر تعجب ہے کہ اس واضح حقیقت کے باوجود مسلمانوں کا ایک فرقہ تینوں خلفاء (حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم) کو غاصب قرار دے کر ان کو مطعون کرتا ہے۔ اگر اس فرقہ کے لوگ اس آیت کی روشنی میں خلافت کے مسئلہ پر غور کریں تو جس فرقہ بندی میں وہ مبتلا ہیں اس کی حقیقت ان پر واضح ہو جائے۔

آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ ''جس طرح ان کو بخشا گیا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے'' تو یہ اشارہ ہے اللہ کی اس سنت کی طرف کہ جب کسی رسول کو اس کی قوم نے جھٹلایا ہے تو اس کو تباہ کر دیا گیا، اور رسول اور اس کے اہل ایمان ساتھیوں کو با اقتدار بنایا گیا۔ اس کی مثالیں حضرت نوح، حضرت ہود، اور حضرت صالح اور ان کے ساتھی اہل ایمان ہیں۔ اسی طرح بنی اسرائیل کو ارض مقدس عطاء کی گئی اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے ذریعہ حکومت کو وسیع اور مستحکم کیا گیا۔

''اس کے بعد جو کفر کریں گے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو خلافت سے جو سرفراز کیا جائے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی تکمیل اور

اس کا غیر معمولی فضل ہوگا۔ یہ سب کچھ دیکھ لینے کے بعد بھی جو لوگ اس نعمت کی ناقدری کریں گے اور فتنے کھڑے کر کے امن کو بدامنی سے بدلنے کی کوشش کریں گے وہ کھلے فاسق ہوں گے، یہ گویا اشارہ تھا سبائی فتنہ کی طرف جو حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں اٹھا اور جس نے حضرت علی کی خلافت کو پوری طرح لپیٹ میں لے لیا۔

رہا یہ سوال کہ اقتدار کا یہ وعدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے لئے تھا۔ یا یہ کہ بعد کے مسلمانوں کے لئے بھی ہے تو اس کا جواب علامہ ابن تیمیہ نے یہ دیا کہ:

''یہ وعدہ ان سب کے لئے ہے جو یہ وصف رکھتے ہوں۔ جب اگلوں نے یہ وصف اپنے اندر پیدا کر لیا تو اللہ نے اپنے وعدہ کے مطابق انہیں خلافت سے سرفراز کیا اور ان کے بعد ایک گروہ اپنے ایمان اور عمل صالح کے اعتبار سے اس وصف کا حامل ہوا۔ تو جو اپنے ایمان میں کامل اور نیک عمل تھے ان کو مذکورہ خلافت بدرجۂ اتم عطاء ہوئی اور جن کے اندر اس اعتبار سے نقص اور خرابی رہی ان کے اقتدار میں بھی خلل اور نقص تھا۔ یہ اس عمل کی جزاء ہے، تو جو لوگ یہ عمل کریں گے وہ اس جزاء کے مستحق ہوں گے۔''

(مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۸ ص ۳۰۲)

۹۶۔ معلوم ہوا کہ یہ آیت توضیحی ہے۔ آیت ۲۷ میں گھروں میں اجازت لے کر داخل ہونے کا جو حکم دیا گیا تھا اس کے سلسلہ میں یہاں یہ وضاحت کر دی گئی کہ جہاں تک تمہارے لونڈی، غلاموں اور نابالغ بچوں کا تعلق ہے ان کا چونکہ بار بار تمہارے پاس آنا جانا ہوتا ہے اس لئے ہر وقت اجازت لینا ان کے لئے ضروری نہیں۔ لیکن تین اوقات ایسے ہیں جن میں اجازت لینے کی پابندی ان کو بھی کرنا چاہئے۔ اور وہ اوقات تمہارے پردہ کے ہیں۔ ایک تو عشاء کے بعد کا وقت جب آدمی بستر پر جاتا ہے، دوسرا نماز فجر سے پہلے کا وقت اور تیسرا دوپہر کا وقت جو قیلولے کا وقت ہے، خاص طور سے گرم ممالک کے لئے۔ ان اوقات میں آدمی چونکہ اپنی بیوی کے پاس خلوت میں ہوتا ہے یا جسم پر نا کافی کپڑے ہوتے ہیں اس لئے نابالغ بچوں کو بھی اس بات کا پابند بنانا ضروری ہے کہ اگر وہ ان اوقات میں اندر آنا چاہیں تو اجازت لے کر ہی آئیں۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ بچوں کی صحیح تربیت کا خیال رکھنا چاہئے اور ان کے سامنے کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہئے جس کا اثر ان کے اخلاق پر بُرا پڑتا ہو۔

موجودہ دور میں آبادی کی کثرت نے بڑے بڑے شہروں میں رہائش کے مسئلہ کو بڑا مشکل بنا دیا ہے۔ لوگ تنگ کمروں میں اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ ایک طرف رہنے کی یہ مجبوری ہے اور دوسری طرف حیاداری کے تقاضے ہیں، جن کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی صورت میں جو محتاط طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہو وہ لازماً اختیار کرنا چاہئے، اور دوسری تمدنی ضرورتوں پر رہائش کے مسئلہ کو مقدم رکھنا چاہئے۔ یعنی رہائش کا ایسا انتظام کرنے کی کوشش کرنا چاہئے کہ خلوت بھی میسر آئے اور رہنے سہنے کے تعلق سے شرعی حدود کی پابندی بھی کی جا سکے۔ جو لوگ اخلاقی حس رکھتے ہیں اور اسلامی زندگی گزارنا چاہتے ہیں ان کے لئے ازبس ضروری ہے کہ وہ رہائش کے مسئلہ کو مناسب طریقہ پر حل کرنے کے لئے نسبتاً زیادہ مالی بار برداشت کریں۔

۹۷۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اس کے یہ احکام علم و حکمت پر مبنی ہیں۔

اور جب تم لوگوں کے بچے بلوغ کو پہنچ جائیں تو چاہئے
کہ وہ بھی اسی طرح اجازت لیا کریں جس طرح ان
سے پہلے (بلوغ کو پہنچنے) والے اجازت لیتے ہیں۔
اس طرح اللہ اپنے احکام تمہارے لئے واضح فرماتا
ہے۔اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔(القرآن)

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۹

۵۹ اور جب تم لوگوں کے بچے بلوغ کو پہنچ جائیں تو چاہئے کہ وہ بھی اسی طرح اجازت لیا کریں جس طرح ان سے پہلے (بلوغ کو پہنچنے) والے اجازت لیتے ہیں ۹۸؎۔ اس طرح اللہ اپنے احکام تمہارے لئے واضح فرماتا ہے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۶۰

۶۰ اور وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں اگر اپنے (اوپری) کپڑے اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گرفت نہیں ۹۹؎، بشرطیکہ اپنی زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں ۱۰۰؎۔ مگر ان کے حق میں بہتر یہی ہے کہ اس سے بچیں۔ اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

لَيْسَ عَلَي الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَي الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَي الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَاۗىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۶۱

۶۱ نہ نابینا پر کوئی حرج ہے، نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے، نہ مریض پر کوئی حرج ہے اور نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنے ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے قبضہ میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ ۱۰۱؎۔ اس بات میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ مل کر کھاؤ یا الگ الگ ۱۰۲؎۔ البتہ جب گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو ۱۰۳؎ یہ اللہ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ دعائیہ کلمہ ہے ۱۰۴؎۔ اس طرح اللہ اپنی آیتیں تم پر واضح فرماتا ہے۔ تاکہ تم عقل سے کام لو۔ ۱۰۵؎

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓي اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۲

۶۲ مؤمن تو درحقیقت وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ۱۰۶؎ اور جب کسی اجتماعی کام کیلئے رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو اس وقت تک چلے نہیں جاتے جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لیں ۱۰۷؎۔ جو لوگ تم سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی ہیں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والے۔ لہٰذا جب وہ اپنی کسی ضرورت سے اجازت مانگیں تو جسے تم چاہو اجازت دے دیا کرو۔ اور ان کیلئے اللہ سے مغفرت کی دعا کرو ۱۰۸؎۔ یقیناً اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

۹۸۔ یعنی بچے جب بالغ ہو جائیں تو ان کو دیگر اوقات میں بھی اجازت لے کر داخل ہونا چاہئے۔ یہ پابندی ان کے لئے اسی طرح ہے جس طرح پہلے سے ان سے بڑوں کے لئے ہے۔

۹۹۔ آیت ۳۱ میں عورتوں کو دوپٹہ کا حکم دیا گیا تھا کہ اگر کوئی غیر محرم گھر میں آئے تو اپنے گریبانوں پر اس کے آنچل ڈالی رہیں۔ اس آیت میں ان بوڑھی عورتوں کو جو نکاح کی امید نہ رکھتی ہوں یہ رخصت دے دی گئی۔ کہ وہ اگر اپنے دوپٹے اتار دیں تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ زینت کی نمائش مقصود نہ ہو۔ اور بہتر یہی ہے کہ وہ دوپٹے نہ اتاریں کہ اس میں زیادہ حیاداری ہے۔

اکثر مفسرین نے کپڑوں سے چادریں مراد لی ہیں یعنی ان کے نزدیک بوڑھی عورتیں اگر باہر نکلتے وقت اپنے اوپر چادریں نہ ڈالیں تو کوئی حرج نہیں، لیکن چادر (جلباب) کا حکم سورۂ احزاب میں بیان ہوا ہے۔ اس سورہ (نور) میں تو گھر کے تعلق سے احکام بیان ہوئے ہیں جن میں اوڑھنی کا حکم بھی دیا گیا ہے، اور آیت زیر تفسیر ایک توضیحی آیت ہے اس لئے اس کا تعلق اوڑھنی کے حکم سے بدرجۂ اولیٰ ہے۔

۱۰۰۔ زینت کے اظہار کی تین صورتیں اس سورہ میں بیان ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ جو زینت ضرورۃً ظاہر ہوتی رہتی ہے اس کے غیر محرم کے سامنے ظاہر ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کا حکم آیت ۳۱ میں **اِلَّا مَاظَهَرَ مِنۡهَا** کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عورت زینت کے ساتھ اپنے شوہر کے علاوہ اپنے محرم رشتہ داروں کے سامنے بھی آسکتی ہے اس کا حکم آیت ۳۱ میں بیان ہوا ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ عورت غیر محرم مردوں کے سامنے زینت کی نمائش کرے یعنی جس زینت کو چھپانا غیر محرموں کے تعلق سے ضروری ہے اس کو وہ دکھاتی پھرے۔ زینت کی یہ نمائش حرام ہے اور قرآن کی اصطلاح میں اس کا نام ''تبرج'' ہے اس آیت میں اسی تبرج کی ممانعت کی گئی ہے۔

۱۰۱۔ اس سورہ میں گھر کے تعلق سے جو احکام دئے گئے ہیں ان کی توضیح کے طور پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ مقصود اس غلط فہمی کا ازالہ ہے کہ مذکورہ پابندیوں کے پیش نظر نہ معذوروں کے لئے یہ گنجائش باقی رہتی ہے کہ وہ بدستور ان گھروں میں جا کر کھاتے رہیں جہاں ان کے لئے اہل خیر نے انتظام کر رکھا تھا، اور نہ قریبی رشتہ دار اور دوست احباب ایک دوسرے کے گھروں میں جا کر کھانا کھا سکتے ہیں۔ اس آیت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ معذور اشخاص کے کھانے کا انتظام جن لوگوں نے اپنے گھروں میں کیا ہو وہ وہاں جا کر کھانا کھا سکتے ہیں۔ گھروں میں داخل ہونے کی اجازت اور پردہ کے حدود کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ معذوروں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک ختم کر دیا جائے۔ رہے قریبی رشتہ دار مثلاً باپ، ماں، بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ تو اگر تمہارے کھانے کا انتظام ان رشتہ داروں میں سے کسی کے گھر میں ہے تو وہاں جا کر تمہارے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح ان گھروں سے بھی جو تمہاری تحویل میں ہوں مثلاً کوئی شخص سفر پر چلا گیا اور اپنا بند گھر تم پر چھوڑ دیا، تو اس کے گھر میں جو کھانے پینے کا سامان ہے اسے تمہارے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں ہیں، نیز اپنے دوستوں کے گھروں میں بھی جا سکتے ہو اور بے تکلف کھا سکتے ہو۔ باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے میں ایک دوسرے کے یہاں کھانا پینا مد ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے گھر سے متعلق جو احکام دیئے گئے ہیں ان کی پابندی کرتے ہوئے ان گھروں میں جانے اور کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ ''نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ'' تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اصلاً تمہارے اپنے گھر ہی ہیں جہاں تم کسی روک ٹوک کے بغیر کھانا کھا سکتے ہو لیکن اگر کسی وجہ سے تمہارے کھانے کا انتظام تمہارے قریبی رشتہ داروں کے ہاں ہے یا تمہارے کسی دوست کے گھر پر ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

آیت میں بیٹوں کے گھر سے کھانے کا ذکر نہیں ہوا کیوں کہ جہاں تک کھانے کا تعلق ہے والدین کے لئے اپنے بیٹے کا گھر اپنے ہی گھر کے حکم میں ہے۔

۱۰۲۔ کھانا الگ الگ کھائیں یا مل کر کھائیں، یہ حالات، ضرورت اور مصالح کے لحاظ سے طے کرنے کی بات ہے۔ شرعاً اس سلسلہ میں کوئی پابندی نہیں ہے اور سہولت کے پیش نظر دونوں طریقوں کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

۱۰۳؎ یعنی یہ نہ بھولو کہ تمہارا اپنا گھر ہو یا تمہارے رشتہ داروں وغیرہ کا، داخل ہوتے وقت تمہیں لازماً سلام کرنا چاہئے۔ آدمی کے اپنے اہل وعیال ہوں یا گھر کے دوسرے افراد اپنی ملت کے افراد ہونے کی حیثیت سے اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کو آدمی سلامتی کی دعا کا تحفہ پیش کرے۔

۱۰۴؎ یعنی یہ دعائیہ کلمہ ہے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے اور جو نہایت ہی خیر و برکت والا پاکیزہ کلمہ ہے۔

۱۰۵؎ یعنی ان احکام پر جو کافی وضاحت کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں، عمل درآمد کے لئے ضروری ہے کہ سوجھ بوجھ سے کام لو۔ احکام کی تعمیل محض خانہ پوری کی حد تک کرنے سے مطلوبہ مقاصد پورے نہیں ہوتے اور نہ فقہی موشگافیاں کرنے سے شریعت کے تقاضے پورے ہوتے ہیں، عمل کی صحیح صورت یہ ہے کہ جو حکم دیا گیا ہے اس کے مدعا کو آدمی اچھی طرح سمجھ لے اور اس پر عملدرآمد کے سلسلہ میں ہوشمندی کا ثبوت دے۔ اگر مسائل پیدا ہو رہے ہوں تو انہیں اپنے ناخن تدبیر سے حل کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل اس لئے نہیں عطاء کی ہے کہ اسے معطل کر کے رکھا جائے بلکہ اس لئے عطاء کی ہے کہ اسے صحیح طور سے استعمال کیا جائے اور شرعی احکام کو روبہ عمل لانے میں عقلِ سلیم سے مدد لی جائے۔

۱۰۶؎ یہاں ایمان سے مراد سچا ایمان ہے جو شعوری ہوتا ہے۔ منافقوں کا سا ایمان نہیں جو نہ شعوری ہوتا ہے اور نہ اُس میں وہ مخلص ہوتے ہیں بلکہ محض عقیدہ کا اظہار ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔

۱۰۷؎ اجتماعی کام سے مراد مشورتی مجلس بھی ہو سکتی ہے اور وہ نشست بھی جو جہاد وغیرہ کے بارے میں ہدایات دینے کے لئے بلائی گئی ہو۔ ایسی نشستیں بجائے خود اہمیت کی حامل ہوتی ہیں اور ان میں حاضری بھی ضروری ہے، لیکن جب ایسی نشست اللہ کے رسول کی موجودگی میں منعقد ہو رہی ہو تو اس کی اہمیت بدرجہا بڑھ جاتی ہے اور اس سے بلا عذر غیر حاضری یا رسول کی اجازت کے بغیر اس نشست کو چھوڑ کر چلا جانا ایک ایسی سنگین بات ہے جو ایمان سے میل نہیں کھاتی۔

۱۰۸؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا کہ جو لوگ اپنی کسی ضرورت سے اجازت مانگیں، ان میں سے جن کو آپ مناسب سمجھیں اجازت دیدیں۔ ساتھ ہی ان کے حق میں استغفار کرنے کی بھی ہدایت کی گئی ہے اگر ان کا عذر قوی نہیں تھا اور انہوں نے اجازت طلب کی تھی تو اللہ ان کے قصور کو معاف کر دے گا۔

❑❑❑❑❑❑

رسول کے بلانے کو تم آپس میں ایک دوسرے کا بلانا نہ سمجھو۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لے کر کھسک جاتے ہیں ۔تو جو لوگ رسول کے حکم کو ماننے سے گریز کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنہ کا شکار نہ ہو جائیں یا دردناک عذاب ان کو پکڑ نہ لے۔(القرآن)

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

۶۳ رسول کے بلانے کو تم آپس میں ایک دوسرے کا بلانا نہ سمجھو ۱۰۹۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لے کر کھسک جاتے ہیں ۱۱۰۔ تو جو لوگ رسول کے حکم کو ماننے سے گریز کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنہ کا شکار نہ ہو جائیں یا دردناک عذاب ان کو پکڑ نہ لے۔ ۱۱۱۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾

۶۴ سنو! آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ تم جس حال پر ہو اللہ اسے جانتا ہے۔ اور جس دن یہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے، وہ انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کر کے آئے ہیں۔ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔

۱۰۹؎ یعنی رسول جب تمہیں کسی کام کے لئے بلائے تو تم پر فرض ہو جاتا ہے کہ سارے کام چھوڑ کر اس کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ اس کے بلاوے کو اس سطح پر نہیں رکھا جا سکتا جس سطح پر تم آپس میں ایک دوسرے کے بلاوے کو رکھتے ہو۔ رسول کا بلاوا، اس کی پکار اور اس کی دعوت ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے کیوں کہ رسول کا جو مقام ہے وہ تم میں سے کسی کا بھی نہیں ہے۔

واضح ہوا کہ ان دو آیتوں میں جو ہدایات دی گئی ہیں، وہ رسول کے ساتھ خاص ہیں، ان کو عام امراء پر منطبق کرنا صحیح نہیں۔ ان کی اطاعت کے معروف حدود ہیں، جب کہ رسول کی اطاعت اور اس کے آداب کا معاملہ اس سے بہت مختلف ہے۔

۱۱۰؎ اشارہ ہے منافقین کی طرف جو رسول کی مجلس سے اپنی عدم دلچسپی کے باعث کسی کی آڑ لے کر کھسک جاتے، تا کہ ان کے جانے کا کسی کو پتہ نہ چلے۔

۱۱۱؎ یہ سخت تنبیہ ہے ان لوگوں کے لئے جو رسول کے حکم کو ماننے کے بجائے اس سے گریز کرنے لگتے ہیں مگر اس کا نتیجہ ایسے لوگوں کے حق میں نہایت خطرناک ہو سکتا ہے، یا تو وہ کسی فتنہ کا شکار ہو کر رہ جائیں یا دردناک عذاب کی گرفت میں آ جائیں۔

آج مسلمان طرح طرح کے فتنے میں گھرے ہوئے ہیں اور نئے نئے فتنوں کا اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ یہ صورتِ حال نتیجہ ہے اسی ہدایت کو نظر انداز کر دینے کا، یعنی رسول کی اطاعت سے گریز کرنے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کا۔ کاش وہ ان آیات کی روشنی میں اپنا احتساب کرتے!

❑❑❑❑❑❑

تفسیر
سورۃ الفرقان

۲۵۔ الفرقان

نام سورہ کے آغاز میں فرقان (حق کو باطل سے ممتاز کرنے والی چیز) کے نزول سے آگاہ کیا گیا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام الفرقان ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہوگی۔ چنانچہ پہلی ہی آیت میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ پیغمبر پر قرآن اس لئے نازل کیا گیا ہے، تاکہ وہ اقوامِ عالم کو خبردار کردے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عالمگیر ہونے کا اعلان ہے۔اور اغلب ہے کہ یہ اعلان مکہ کے آخری دور میں ہی کیا گیا ہوگا۔

مرکزی مضمون قرآن اور پیغمبر کے سلسلے میں وارد کئے جانے والے شبہات کو دور کرنا اور ان کی صداقت کو اس طرح نمایاں کرنا ہے کہ اس کا یقین دلوں میں پیدا ہوجائے۔

نظم کلام آیت ۱ اور ۲ میں فرقان نازل کرنے والی ہستی کی معرفت بخشی گئی ہے۔

آیت ۳ تا ۴ میں شرک کی تردید کرتے ہوئے، وحی اور رسالت پر وارد کئے جانے والے اعتراضات وشبہات کا جواب دیا گیا ہے۔اور یہ جواب انذار کے پیرایہ میں ہے۔تاکہ اعتراض کرنے والے ہوش میں آئیں۔

آیت ۳۵ تا ۴۴ میں ان قوموں کے انجام کی عبرت ناک مثالیں پیش کی گئی ہیں، جن کو خبردار کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا تھا۔لیکن انہوں نے ان کو جھٹلایا۔

آیت ۴۵ تا ۶۲ میں ان نشانیوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، جن پر غور کرنے سے اللہ کی وحدانیت کا یقین پیدا ہوجاتا ہے۔ساتھ ہی ان شبہات کا بھی ازالہ کیا ہے جو رسول کے تعلق سے پیش کئے جارہے تھے۔

آیت ۶۳ تا ۷۶ میں ان لوگوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، جنہوں نے اپنے کو خدائے رحمٰن کی بندگی میں دیدیا ہے۔اس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن کی تعلیم کے زیر اثر انسان میں کیا خوبیاں پرورش پانے لگتی ہیں اور کس معیار کے لوگ تیار ہوجاتے ہیں۔

آیت ۷۷ اختتامی آیت ہے جس میں ان لوگوں سے آخری بات کہی گئی ہے، جو قرآن اور پیغمبر کے خبردار کرنے کے باوجود اس کا کوئی اثر قبول نہیں کررہے تھے۔اور ان کو جھٹلانے میں لگے ہوئے تھے۔

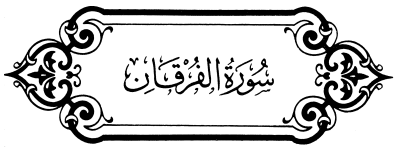

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ﴿۱﴾

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ﴿۴﴾

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۵﴾

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۶﴾

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ﴿۷﴾

اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾

۲۵۔ سُورۃُ الْفُرْقَان

آیات ۷۷

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ بڑا ہی بابرکت ہے ۱؎ وہ جس نے اپنے بندہ ۲؎ پر فرقان نازل کیا ۳؎ ۔تاکہ وہ دنیاوالوں کیلئے خبردار کرنے والا ہو۔ ۴؎

۲ وہ ہستی جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ ۵؎ جس نے اپنے لئے اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک ہے ۶؎۔اس نے ہر چیز پیدا کی پھر اس کی منصوبہ بندی کی۔ ۷؎

۳ لوگوں نے اس کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنا لئے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔ جو اپنے لئے نہ کسی فائدہ کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نقصان کا۔جنہیں نہ موت پر اختیار ہے، نہ زندگی پر اور نہ مُردوں کو اٹھا کھڑا کرنے پر۔

۴ کافر کہتے ہیں یہ جھوٹ ہے جو اس شخص نے گڑھا ہے اور اس کام میں کچھ دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے۔ بڑی ہی ناانصافی کی بات ہے اور جھوٹ ہے جس کے وہ مرتکب ہوئے ہیں۔ ۸؎

۵ کہتے ہیں یہ گزرے ہوئے لوگوں کے قصے ہیں جو اس شخص نے لکھوائے ہیں اور وہ اس کے سامنے صبح وشام پڑھے جاتے ہیں۔ ۹؎

۶ کہو اُسے اُتارا ہے اس نے جو آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہے ۱۰؎۔ بیشک وہ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ۱۱؎

۷ کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے! اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ اس کے ساتھ رہ کر خبردار کرتا؟

۸ یا اس کے لئے کوئی خزانہ اتارا جاتا یا اس کے لئے کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھایا کرتا۔اور ظالم کہتے ہیں تم تو ایک ایسے آدمی کے پیچھے چل رہے ہو جس پر جادو کا اثر ہوا ہے۔ ۱۲؎

۱؎ اللہ کے بابرکت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خیر کا سرچشمہ ہے اور اس سے، جو فیض اور برکتیں مخلوق کو پہنچ رہی ہیں وہ بے انتہا ہیں۔ اس کتاب کا نزول اس کی طرف سے ہوا ہے اس لئے وہ خیر ہی خیر ہے، اور برکتوں سے مالا مال کر دینے والی ہے۔

۲؎ یعنی اپنے خاص بندہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر۔

۳؎ فرقان کے لفظی معنیٰ ہیں فرق اور امتیاز کرنے والی چیز۔ اور قرآن کے فرقان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب حق کو باطل سے ممتاز کرتی ہے اور گمراہیوں کے مقابلہ میں ہدایت کو نمایاں کرتی ہے۔ یہ وہ کسوٹی ہے جس پر پرکھ کر کھرے اور کھوٹے میں تمیز کی جاسکتی ہے اور جملہ معاملاتِ زندگی میں یہ کتاب معیارِ فیصلہ ہے۔

دنیا میں مذاہب کی کثرت کو دیکھ کر اور ان کے متضاد دعووں کے پیش نظر آدمی بڑی الجھن میں پڑ جاتا ہے، اس کی اس الجھن کو دور کرنے ہی کے لئے فرقان کا نزول ہوا ہے۔ اس کسوٹی (Criterion) پر ہر مذہب کے دعوے کو پرکھا جاسکتا ہے۔ اور یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ یہ زرِ خالص ہے بھی یا نہیں۔ لوگ اس کسوٹی سے تو واقف ہیں جو سونے کو پرکھنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ لیکن افسوس کہ اکثر لوگ اس خدائی کسوٹی سے ناآشنا ہیں جسے فرقان کہا گیا ہے۔ اس لئے وہ مذاہب کے بارے میں غلط رائے قائم کئے ہوئے ہیں اور مختلف الجھنوں کا شکار ہیں۔

۴؎ یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ آپ صرف عربوں کو خبردار کرنے کے لئے نہیں، بلکہ دنیا والوں کو خبردار کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے اور اس مقصد کے لئے آپ پر قرآن نازل کیا گیا۔ بالفاظ دیگر آپ کی رسالت اقوام عالم کے لئے ہے اور ان کو خبردار کرنے کا کام اس کتاب کے ذریعہ قیامت تک انجام پاتا رہے گا۔

اس ارشاد سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن خدا سے غافل انسانیت کو آخرت کے انجام بد سے خبردار کرنا تھا۔ اور اس سے یہ اصولی رہنمائی بھی ملتی ہے کہ اسلام کی طرف دعوت دینے والوں کو اسی رنگ میں دعوت پیش کرنا چاہئے۔ موجودہ زمانہ میں اسلام کی دعوت کے لئے کچھ نئے طریقے رائج ہو گئے ہیں۔

چنانچہ دعوت کو اس طریقے سے پیش کیا جاتا ہے کہ اجتماعی زندگی کے مسائل کے حل کا پہلو تو پوری طرح ابھر کر سامنے آجاتا ہے، لیکن قیامت کے دن کی ہولناکی اور اخروی انجام کا پہلو اس طرح سامنے نہیں آتا کہ لوگ خبردار ہو جائیں اور ان کو آخرت کی فکر لاحق ہو۔

۵؎ یعنی اس کتاب کا نازل کرنے والا کائنات کا فرمانروا ہے۔ اس لئے اس کی اہمیت اور عظمت کو خوب سمجھ لو۔

۶؎ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ بنی اسرائیل، نوٹ ۱۴۹؎۔

۷؎ یعنی اللہ تعالیٰ نے چیزوں کو پیدا کر کے یوں ہی چھوڑ نہیں دیا ہے کہ جو کچھ ان سے ظہور میں آتا ہے اتفاقات کا نتیجہ ہے۔ بلکہ اس نے ایک ایک چیز کے بارے میں طے کر رکھا ہے کہ اسے کیا کام انجام دینا ہے، کس طرح انجام دینا ہے، اس کی مدت کار کردگی اور غایت کیا ہوگی۔ مثال کے طور پر سورج کو کس درجۂ حرارت پر رہنا ہے، اپنی شعائیں کہاں کہاں ڈالنا ہے، کیسی حرارت پیدا کرنا ہے، کس رفتار سے گردش کرنا ہے اور یہ کہ کب کس کی بساط لپیٹ کر رکھ دی جائے گی۔ اس طرح ایک ایک چیز کی منصوبہ بندی اور پلاننگ کی گئی ہے۔ اور پوری کائنات اپنے خالق کے بنائے ہوئے منصوبہ کو پورا کرنے میں سرگرم عمل ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں اس منصوبہ بندی کا نام ''تقدیر'' ہے جس کے لفظی معنیٰ اندازہ مقرر کرنے کے ہیں۔

۸؎ یعنی انکار کرنے والوں کا کہنا ہے کہ قرآن کی نسبت اللہ کی طرف بالکل جھوٹ ہے۔ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ اس شخص کا اپنا کلام ہے جو نبوت کا دعویدار ہے۔ اور اس کو گڑھنے میں کچھ لوگوں نے اس کی مدد کی ہے۔ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے ان میں سے بعض کی طرف ان کا اشارہ رہا ہوگا۔ مگر چونکہ یہ الزام بالکل بے بنیاد تھا اور اس کا بے حقیقت ہونا بھی لوگوں پر واضح ہی تھا۔ اس لئے اس کی تردید میں یہ کہنے پر اکتفاء کیا گیا کہ یہ بڑی ہی ناانصافی کی بات ہے اور جھوٹ ہے جس کے یہ لوگ مرتکب ہوئے ہیں۔ بعد میں تاریخ نے بھی ثابت کر دکھایا کہ یہ الزام جھوٹا تھا اور قرآن اپنے دعوے میں بالکل سچا ہے۔

کیوں کہ اگر قرآن کا مصنف اللہ کے سوا کوئی اور ہوتا تو یہ بات چھپی نہیں رہ سکتی تھی ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کے مدعی ہیں نہیں اور اگر دیگر اشخاص نے اس کو تصنیف کرنے میں ہاتھ بٹایا ہوتا تو وہ اسے اپنا کارنامہ ضرور بتلاتے مگر کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکا کہ قرآن میری تصنیف ہے یا اس کو مرتب کرنے میں میں بھی شریک رہا ہوں ۔

۹ ۔ یہ دوسرا الزام تھا جو کچھ دوسرے لوگ لگا رہے تھے ۔ قرآن میں ماضی کے اقوام کے واقعات بیان ہوئے ہیں ان کو وہ پارینہ قصے اور افسانے قرار دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام عائد کرتے تھے کہ آپ نے یہ قصے (اہل کتاب میں سے) کسی سے لکھوائے ہیں ۔ اور اب آپ کے ساتھی آپ کو صبح و شام وہی قصے پڑھ کر سناتے ہیں ۔ قرآن کی صبح و شام جو تلاوت کی جاتی تھی اس کی توجیہ وہ اس طرح کرتے تھے ۔

۱۰ ۔ یعنی قرآن کے مضامین خود شہادت دیتے ہیں کہ یہ اسی ہستی کا کلام ہے جس پر کائنات کے تمام سربستہ راز منکشف ہیں ۔ کیوں کہ یہ کتاب کائنات کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھاتی ہے ۔

۱۱ ۔ یہ توبہ کی ترغیب ہے کہ اس کی طرف رجوع کرو اور ایمان لے آؤ ، تو جو گناہ تم سے سرزد ہو گئے ہیں ان کو وہ معاف کر دے گا اور تم پر رحم فرمائے گا ۔

۱۲ ۔ ان کا خیال تھا کہ جادو کے اثر سے آدمی کی عقل مختل ہو جاتی ہے یعنی اس میں فتور آ جاتا ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سحر زدہ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ وحی کے نزول اور آخرت وغیرہ کی جو باتیں کر رہے ہیں وہ عقل کا فتور ہے ، اور یہ فتور کسی کے جادو کر دینے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے ۔ جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے وہ تو سراسر جھوٹ تھا ۔ رہا یہ سوال کہ کیا جادو کے اثر سے کسی کی عقل میں فتور آ جاتا ہے تو یہ خیال بھی غلط ہے ۔ قرآن سے اس خیال کی ہرگز تائید نہیں ہوتی ۔ جادو کا اثر وقتی طور پر نظر کے دھوکہ کی حد تک رہتا ہے ، جیسا کہ آیت سَحَرُوٓا اَعۡیُنَ النَّاسِ (انہوں نے جادو سے لوگوں کی نظریں مار دیں ۔ سورۂ اعراف آیت ۱۱۶) سے واضح ہے مگر بہت سے لوگ جادو کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں جس کی وجہ سے وہ وہم پرستی کا شکار ہو جاتے ہیں ۔

دیکھو یہ تم پر کیسے کیسے فقرے چست کر رہے ہیں ۔ یہ بھٹک گئے ہیں ۔
کوئی راہ نہیں پا سکتے ۔ بڑا بابرکت ہے وہ جو اگر چاہے تو (اے پیغمبر!)
تمہارے لئے اس سے کہیں بہتر چیزیں بنا دے ۔ ایسے باغ جن کے
نیچے نہریں جاری ہوں اور تمہارے لئے محل بنا دے ۔ حقیقت یہ ہے کہ
ان لوگوں نے قیامت کی گھڑی کو جھٹلایا ہے ۔ اور جو اس گھڑی کو جھٹلائے
اس کے لئے ہم نے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے ۔ (القرآن)

أُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴿٩﴾

٩ دیکھو یہ تم پر کیسے کیسے فقرے چست کر رہے ہیں۔ یہ بھٹک گئے ہیں۔کوئی راہ نہیں پا سکتے۔ ۱۳؎

تَبَارَكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِنْ ذَٰلِكَ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَلْ لَكَ قُصُورًا ﴿١٠﴾

١٠ بڑا بابرکت ہے وہ جو اگر چاہےتو (اے پیغمبر!) تمہارے لئے اس سے کہیں بہتر چیزیں بنا دے۔ ایسے باغ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں اور تمہارے لئے محل بنا دے۔ ۱۴؎

بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ﴿١١﴾

١١ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے قیامت کی گھڑی کو جھٹلایا ہے ۱۵؎۔ اور جو اس گھڑی کو جھٹلائے اس کے لئے ہم نے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ ۱۶؎

إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ﴿١٢﴾

١٢ وہ جب دور سے ان کو دیکھ لے گی تو یہ اس کے جوش غضب اور اس کے دہاڑنے کو آوازوں کو سنیں گے۔ ۱۷؎

وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ﴿١٣﴾

١٣ اور جب یہ جکڑے ہوئے اس کی کسی تنگ جگہ میں ڈال دیئے جائیں گے تو اپنی موت کو پکاریں گے۔

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ﴿١٤﴾

١٤ آج ایک موت کو نہیں بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔

قُلْ أَذَٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۚ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَمَصِيرًا ﴿١٥﴾

١٥ ان سے پوچھو یہ بہتر ہے یا ہمیشگی کی جنت جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے ۱۸؎۔ وہ ان کے لئے جزا اور ٹھکانا ہوگی۔ ۱۹؎

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُولًا ﴿١٦﴾

١٦ اس میں ان کے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ وعدہ تمہارے رب کے ذمہ ایسا ہے جس کو پورا کرنے کی مانگ اس سے کی جا سکتی ہے۔ ۲۰؎

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ أَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿١٧﴾

١٧ اور وہ دن جب کہ وہ لوگوں کو بھی اکٹھا کرے گا اور ان کے ان معبودوں کو بھی جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہیں۔ پھر ان سے پوچھے گا کہ تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود سیدھے راستے سے بھٹک گئے تھے؟ ۲۱؎

قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿١٨﴾

١٨ وہ عرض کریں گے پاک ہے تو! ہماری یہ مجال نہ تھی کہ تیرے سوا اور کارساز بنائیں ۲۲؎۔ مگر تو نے ان کو اور ان کے آباء و اجداد کو آسودگی بخشی یہاں تک کہ یہ تیری یاد بھلا بیٹھے اور ہلاک ہو کر رہ گئے۔ ۲۳؎

۱۳؎ جب آدمی رسول کے بارے میں واقعیت پسندی کا ثبوت نہیں دیتا۔ اور اس کے دعویٰ رسالت کی غلط توجیہ کرنے لگتا ہے، تو وہ غلط راہ پر جا پڑتا ہے اور پھر اس سے نکلنے نہیں پاتا۔

۱۴؎ یعنی اللہ کے خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ وہ اگر چاہے تو اپنے پیغمبر کیلئے ایک نہیں بہت سے باغ اور ایک نہیں کئی محل بنا دے۔ مگر چونکہ یہ دنیا انعام پانے کی جگہ نہیں ہے بلکہ امتحان گاہ ہے۔ اس لئے وہ رسول کو بھی آزمائشی زندگی سے گذارتا ہے۔

۱۵؎ یعنی یہ ان کے خالی خولی اعتراضات ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ قیامت کو ماننا نہیں چاہتے۔ کیوں کہ اس کو ماننے کی صورت میں ذمہ دارانہ زندگی گذارنا پڑتی ہے۔ اور رسالت کو تسلیم کرنے سے قیامت کو تسلیم کرنا لازم آتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی عافیت اسی میں سمجھتے ہیں کہ رسالت ہی کو تسلیم نہ کیا جائے۔

۱۶؎ واضح ہوا کہ قیامت کا انکار کرنے والا کافر اور جہنم کا مستحق ہے، خواہ وہ خدا کو ماننے کا دعویدار ہی کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ قیامت کا انکار خدا کی صفت عدل کا انکار ہے۔ اس کے بعد اس کو ماننے کا دعویٰ بے معنیٰ ہو کر رہ جاتا ہے۔

۱۷؎ دوزخ کے دور سے کافروں کو دیکھنے کی شکل کیا ہوگی وہ قیامت کے دن ہی معلوم ہو سکے گا، البتہ جب وہ دیکھ لے گی تو اس کے غضب کا یہ عالم ہوگا کہ کافروں کو دور سے ہی اس کی دہاڑیں سنائی دیں گی۔

۱۸؎ واضح ہوا کہ جنت کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے۔ یعنی ان لوگوں سے جو اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی اور گناہ سے بچتے ہوئے زندگی بسر کریں۔ نام نہاد مسلمانوں سے جنت کا وعدہ نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے کوئی شخص اس خوش فہمی میں نہ رہے کہ چونکہ ہم فلاں پیر کے عقیدتمند اور فلاں بزرگ کے مرید ہیں اس لئے جنت ہمارے لئے مقدر ہے، اور نہ کوئی اس خام خیالی میں مبتلا رہے کہ چونکہ ہم بزرگوں کے عقیدتمند ہیں اور ان کے نام کی نیاز کرتے ہیں اس لئے ہم جنت کے حقدار ہیں۔

۱۹؎ یعنی جنت ان کی آخری منزل قرار پائے گی۔

۲۰؎ یعنی یہ ایسا وعدہ ہے جو اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے اور بندوں کو یہ حق دے دیا ہے کہ وہ اس سے طلب کریں۔

۲۱؎ یہاں معبودوں سے مراد بت نہیں، کیوں کہ سوال بتوں سے نہیں کیا جاتا بلکہ انبیاء اور بزرگ ہیں جن کے ساتھ ان کے عقیدتمند لوگ، وہ معاملہ کرتے رہے ہیں جو خدا کے ساتھ کیا جانا چاہئے۔ اس کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کو نصاریٰ نے خدا بنا لیا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت عیسیٰ جو تردیدی بیان خدا کی عدالت میں دیں گے وہ سورۂ مائدہ آیت ۱۱۶ میں بیان ہوا ہے۔ مشرکین مکہ نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بت خانۂ کعبہ میں رکھا تھا۔

۲۲؎ یعنی ہم نے تو اپنا کارساز اللہ ہی کو بنایا تھا۔ پھر یہ کیوں کر ہو سکتا تھا کہ ہم لوگوں سے یہ کہتے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر ہمیں کارساز بنائیں اور ہمیں حاجت روا سمجھ کر ہماری پرستش کریں۔

یہ آیت مشرکین ہی کی نہیں ان مسلمانوں کی بھی آنکھیں کھول دینے کیلئے کافی ہے، جو بزرگوں کی عقیدت میں شرک کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ان کی منتیں ماننے سے اور ان کی قبروں پر چڑھاوے چڑھانے سے وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ بزرگ قیامت کے دن اپنے عقیدتمندوں کی مشرکانہ حرکتوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ اور یہ ان کے لئے ان کے بزرگوں کی طرف سے زبردست طمانچہ ہوگا۔

۲۳؎ یعنی ان کو دنیا میں جو مال و متاع ملا اس میں ایسے مست ہو گئے کہ وہ خدا کو بھلا بیٹھے۔ اور خدا کو بھلانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شرک میں مبتلا ہو گئے اور تباہی کے گڑھے میں جا گرے۔

واضح ہوا کہ شرک میں آدمی اس وقت مبتلا ہوتا ہے جب کہ وہ خدا کو بھلا دیتا ہے۔ خدا کو حقیقی معنوں میں یاد رکھنے والا شرک میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔

فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا
وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾

۱۹ لو جو بات تم کہتے تھے اس میں انہوں نے تم کو جھوٹا ٹھہرایا ۲۴؎۔ اب نہ تم عذاب کو ٹال سکتے ہو اور نہ کوئی مدد پا سکتے ہو۔ اور جو شخص بھی تم میں سے ظلم کرے گا ۲۵؎، ہم اسے بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ
الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ
لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۗ أَتَصْبِرُونَ ۗ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿٢٠﴾ ع

۲۰ (اے پیغمبر!) تم سے پہلے ہم نے جو رسول بھی بھیجے وہ سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے ۲۶؎۔ ہم نے تم لوگوں کو ایک دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کیا تم صبر کرتے ہو؟ ۲۷؎ اور تمہارا رب (سب کچھ) دیکھ رہا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا
الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا ۗ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ
وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيرًا ﴿٢١﴾

۲۱ اور جو لوگ ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کیوں نہ ہم پر فرشتے اتارے گئے یا ایسا کیوں نہیں ہوا کہ ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے؟ انہوں نے اپنے نفس میں اپنے کو بہت بڑا سمجھا اور بڑی سرکشی دکھائی۔ ۲۸؎

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِينَ وَ
يَقُولُونَ حِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٢٢﴾

۲۲ جس دن یہ فرشتوں کو دیکھ لیں گے اس دن مجرموں کے لئے کوئی خوشخبری نہ ہوگی اور پکار اٹھیں گے پناہ پناہ۔ ۲۹؎

وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُورًا ﴿٢٣﴾

۲۳ اور جو عمل بھی انہوں نے کیا ہوگا اس کی طرف ہم بڑھیں گے اور اس کو غبار بنا کر اڑا دیں گے۔ ۳۰؎

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّأَحْسَنُ مَقِيلًا ﴿٢٤﴾

۲۴ اس دن جنت والے اچھی جگہ اور بہترین آرام گاہ میں ہوں گے۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ﴿٢٥﴾

۲۵ آسمان اس دن ایک بادل کے ساتھ پھٹ جائے گا ۳۱؎ اور فرشتوں کے پرے کے پرے اتار دیئے جائیں گے۔

الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَٰنِ ۚ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى
الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ﴿٢٦﴾

۲۶ اس دن حقیقی بادشاہی رحمٰن ہی کی ہوگی ۳۲؎ اور وہ دن کافروں کے لئے بڑا سخت ہوگا۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ
مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾

۲۷ ظالم اس روز اپنے ہاتھ کاٹ کھائے گا ۳۳؎۔ اور کہے گا کاش میں نے رسول کے ساتھ راہ اختیار کی ہوتی!

يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾

۲۸ افسوس میری بدبختی پر! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا! ۳۴؎

۲۴ ۔ یعنی تمہارا دعویٰ ان شخصیتوں کے بارے میں تھا، اور جو غلو آمیز تصور تم نے قائم کیا تھا وہ غلط ثابت ہوا۔ اور ظاہر ہو گیا کہ وہ کارسازی کا کوئی اختیار نہیں رکھتے تھے اور نہ انہوں نے اس کا کوئی دعویٰ کیا تھا، بلکہ وہ خود اپنا کارساز اللہ ہی کو مانتے تھے۔

۲۵ ۔ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔

۲۶ ۔ یہ ان کے اس اعتراض کا جواب ہے جو آیت ۷ میں نقل ہوا ہے۔

۲۷ ۔ یعنی رسول کا کھانا پینا اور بازاروں میں چلنا پھرنا، دونوں گروہوں کے لئے آزمائش کا سبب بن گیا ہے۔ کافروں کو تو یہ موقع مل گیا ہے کہ وہ رسول پر فقرے کسیں، اور اہل ایمان کے لئے یہ آزمائش کہ وہ ان ناگوار باتوں کو سن کر صبر کرتے ہیں یا نہیں۔

اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ کافروں کی طرف سے رسول کی شخصیت پر جو اعتراضات ہوں ان پر اہل ایمان کو صبر کرنا چاہئے۔ مگر اس زمانہ میں مسلمانوں کا حال بڑا عجیب ہے، کسی گوشہ سے رسول پر کوئی تنقید ہوتی ہے تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور اس کو احتجاج کا موضوع بنا لیتے ہیں۔ اور کافر یہی چاہتے ہیں کہ مسلمان مشتعل ہو کر ٹکراؤ کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ اگر وہ اشتعال قبول کرنے کے بجائے مثبت طور پر رسول کے مقام کو واضح کریں تو کتنے ہی لوگ رسول کے قدرشناس بن جائیں۔

۲۸ ۔ رسالت کے منکرین بجائے اس کے کہ اس خدائی حکمت کو سمجھنے کی کوشش کرتے، جس کی بنا پر انسانوں کی ہدایت کے لئے رسول بھیجا جاتا ہے، الٹے سیدھے اعتراضات کرتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر رسول پر فرشتے اتارے جاتے ہیں تو ہم پر کیوں نہیں اتارے جاتے؟ اور اسی لئے میں وہ یہاں تک کہہ گزرے کہ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ غیب کے پردے اٹھا دیئے جاتے اور ہم اپنے رب کو کھلی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔ یعنی وہ چاہتے تھے کہ حقیقت کو بصیرت (دل) کی آنکھوں سے نہیں بلکہ بصارت کی (ظاہری) آنکھوں سے دیکھیں۔ حالانکہ انسان کا سارا امتحان اس بات میں ہے کہ وہ حقیقت کو بصیرت کی آنکھوں سے دیکھتا ہے یا نہیں؟ مگر جو لوگ اس گھمنڈ میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ان کا مقام بندہ ہونے کا نہیں، بلکہ آزاد اور خودمختار انسان ہونے کا ہے، وہ خدا اور اس کے رسول کے بارے میں اونٹ پٹانگ باتیں کرنے لگتے ہیں اور اپنی سرکشی میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔

۲۹ ۔ یعنی آج یہ فرشتوں کو دیکھنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، مگر وہ دن دور نہیں جب فرشتے ان کے سامنے آ نمودار ہوں گے۔ اور جب وہ ان کو دیکھ لیں گے تو سمجھیں گے کہ ہماری شامت آ گئی اس لئے پناہ پناہ پکار اٹھیں گے۔

۳۰ ۔ یعنی یہ لوگ جب آخرت ہی کا انکار کرتے رہے ہیں تو ان کا کوئی عمل، خواہ وہ مذہبی نوعیت کا ہو یا دنیوی کارنامہ کی حیثیت رکھتا ہو، قیامت کے دن ان کی کوئی قدر نہ ہوگی۔ ان کے سارے اعمال راکھ کا ڈھیر ثابت ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو غبار کی طرح اڑا دے گا۔

آج آخرت بیزار لوگ اپنے دنیوی اور قومی کارناموں پر بڑا فخر کرتے ہیں۔ اور ان کارناموں ہی کی بدولت وہ اپنی قوم کے ہیرو بن جاتے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن انہیں پتہ چلے گا کہ ان کے یہ کارنامے اتنے ہی بے وزن ہیں جتنا کہ غبار۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ابراہیم نوٹ ۲۶ ۔ اور سورۂ کہف، نوٹ ۱۳۰ ۔

۳۱ ۔ لفظ ''غمام'' استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ سفید بادل کے ہیں۔ قیامت کے دن آسمان پھٹے گا اور اس میں سے بادل نمودار ہوگا۔ ہوسکتا ہے یہ بادل (غمام) وہی ہو جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں اس طرح ہوا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۔ ۲۱۰)

''کیا یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ فرشتوں کو لئے ہوئے ابر کے سائبانوں میں ان کے سامنے نمودار ہو اور فیصلہ ہی کر ڈالا جائے۔

۳۲ ۔ یعنی قیامت کے دن ساری مجازی بادشاہتیں ختم ہو چکی ہوں گی۔ اور لوگ دیکھ لیں گے کہ اقتدار اللہ ہی کے لئے ہے جو فرمانروائے کائنات ہے۔

۳۳۔ ہاتھ کاٹنا کنایہ ہے حسرت وندامت کے لئے۔اور قیامت کے دن جو جنونی کیفیت کافروں پر طاری ہوگی اس کی وجہ سے وہ اپنے ہاتھ چباڈالے تو بھی عجب نہیں۔

۳۴۔ یہ ایک اور آگاہی ہے کہ آدمی کو سوچ سمجھ کر دوست کا انتخاب کرنا چاہئے۔کیوں کہ آدمی اپنے دوست کی باتوں کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے اور اس کی راہ پر چل پڑتا ہے۔اگر دوست گمراہ ہو تو اس کا ساتھی بھی گمراہ ہو جاتا ہے۔دنیا میں کتنے لوگ اس لئے کافر اور فاسق و فاجر بنے ہوئے ہیں کہ وہ بُرے دوستوں کے زیر اثر ہیں۔ان کو اپنی اس غلطی کا احساس قیامت کے دن ہوگا اس وقت وہ اپنی محرومی پر پچھتائیں گے۔

اس کے برعکس اگر آدمی اپنی دوستی کے لئے اللہ کے مؤمن اور مخلص بندہ کا انتخاب کرتا ہے، جو اللہ سے ڈرتے ہوئے پاکیزہ زندگی گذارتا ہے، تو اس کی صحبت کا فیض اس شخص کو بھی حاصل ہوسکتا ہے۔عطار کے پاس بیٹھنے والا عطر کی خوشبو سے محروم نہیں ہوسکتا۔

❑❑❑❑❑❑

اس نے مجھے گمراہ کر کے نصیحت سے دور رکھا جب کہ وہ میرے
پاس آ چکی تھی ۔ اور شیطان تو ہے ہی انسان کو بے یار و مددگار
چھوڑنے والا ۔ اور رسول کہے گا اے میرے رب ! میری قوم
نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے
لئے مجرموں میں سے دشمن کھڑے کئے ۔ اور تمہارا رب
(تمہاری) رہنمائی اور مدد کے لئے کافی ہے۔ (القرآن)

لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ؕ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

۲۹ اس نے مجھے گمراہ کر کے نصیحت سے دور رکھا ۳۵۔ جب کہ وہ میرے پاس آ چکی تھی۔ اور شیطان تو ہے ہی انسان کو بے یار و مددگار چھوڑنے والا۔ ۳۶۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

۳۰ اور رسول کہے گا اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ ۳۷۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّنَصِیْرًا ﴿۳۱﴾

۳۱ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے مجرموں میں سے دشمن کھڑے کئے ۳۸۔ اور تمہارا رب (تمہاری) رہنمائی اور مدد کے لئے کافی ہے۔ ۳۹۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ﴿۳۲﴾

۳۲ کافر کہتے ہیں اس پر پورا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتارا گیا؟ ۴۰۔ ہم نے (تدریج کے ساتھ نازل کیا اور) ایسا اس لئے کیا تا کہ اس کے ذریعہ (اے پیغمبر!) تمہارے دل کو مضبوط کریں ۴۱۔ اور ہم نے اس کلام کو حسنِ ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ۴۲۔

وَلَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ﴿۳۳﴾

۳۳ اور یہ اعتراض بھی تمہارے سامنے لاتے ہیں تو ہم حق بات تمہارے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ بہترین وضاحت کے ساتھ۔ ۴۳۔

اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۳۴﴾

۳۴ جو لوگ اپنے منہ کے بل جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے ان کا ٹھکانہ بہت بُرا اور ان کی راہ بالکل غلط ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا ﴿۳۵﴾

۳۵ ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی ۴۴۔ اور اس کے بھائی ہارون کو اس کا وزیر بنایا۔ ۴۵۔

فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا ﴿۳۶﴾

۳۶ ہم نے کہا تم دونوں جاؤ اس قوم کے پاس جس نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ہے ۴۶۔ بالآخر ہم نے اس کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ ۴۷۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰیَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۳۷﴾

۳۷ اور قوم نوح کو ہم نے غرق کیا جب کہ اس نے رسولوں کو جھٹلایا ۴۸۔ اور لوگوں کے لئے اس کو نشانِ عبرت بنا دیا۔ اور ظالموں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا ﴿۳۸﴾

۳۸ اور عاد ۴۹۔ ثمود ۵۰۔ واصحاب الرس ۵۱۔ اور ان کے درمیان کی بہت سی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ ۵۲۔

۳۵ ۔ مراد وہ نصیحت ہے جو اللہ نے بندوں کی اصلاح کے لئے اتاری ہے۔

۳۶ ۔ یعنی شیطان دنیا میں تو انسان کی غلط رہنمائی کر کے سنہرے خواب دکھاتا رہا۔ لیکن جب نتائج کے ظہور کا وقت آیا تو ساتھ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ شیطان کا غدار ہونا قیامت کے دن بالکل کھل کر سامنے آجائے گا۔

۳۷ ۔ یہ اللہ کی عدالت میں رسول کی فریاد ہوگی کہ میں نے اپنی قوم کو، اس قرآن کے ذریعے صحیح راہ دکھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن یہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر اپنی من مانی کرتے رہے۔

عرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین مخاطب تھے جن پر حجت پوری طرح قائم ہوگئی تھی۔ اس لئے عدالتِ خداوندی میں سب سے پہلے ان ہی پر گرفت ہو گی۔ رہیں دوسری قومیں تو جن جن تک رسول یا اس کے پیروؤں کے ذریعہ قرآن کا پیغام پہنچا اور انہوں نے اسے قبول نہیں کیا، وہ بھی گرفت سے بچ نہیں سکیں گی، کیوں کہ جیسا کہ آیت ۱ر میں بیان ہوا کہ رسول دنیا کی تمام قوموں کو خبردار کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے اور قرآن کا نزول اسی مقصد سے ہوا ہے۔

آج مسلمانوں کی بڑی تعداد کا حال یہ ہے کہ وہ قرآن کو ماننے کا تو دعویٰ کرتی ہے مگر رسمی حد تک۔ یہ لوگ نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ اپنے عقائد و اعمال میں اس کو رہنما بناتے ہیں، ہر لحاظ سے انہوں نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہے اور وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ آخرت کی عدالت میں ان پر مقدمہ نہیں چلے گا۔

۳۸ ۔ اشارہ ہے ان لیڈروں کی طرف جو مجرموں میں سے ابھرتے ہیں اور نبی کے دشمن بن کر اس کی دعوت کی مخالفت میں زور لگاتے ہیں۔ یہ سب اللہ کے مقررہ قانونِ ضلالت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو اس طرح تعبیر کیا گیا ہے کہ ''ہم نے ہر نبی کے لئے مجرموں میں سے دشمن کھڑے کئے''۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انعام، نوٹ ۲۱۰ ۔

۳۹ ۔ یعنی دشمنوں کی تمام کارروائیوں کے باوجود تم پر راہِ ہدایت کھلتی چلی جائے گی۔ اس راہ کو طے کرتے ہوئے ہر ہر موڑ پر تمہاری رہنمائی کا سامان ہوگا اور کٹھن مرحلوں میں اللہ تمہاری دستگیری فرمائے گا۔

۴۰ ۔ منکرین کا ایک بڑا اعتراض یہ تھا کہ اگر قرآن واقعی اللہ کی کتاب ہے، تو مکمل کتاب کی صورت میں بیک وقت نازل کیوں نہیں ہوئی، وقفہ وقفہ سے تھوڑی تھوڑی کیوں نازل ہو رہی ہے؟

۴۱ ۔ یعنی قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کا ایک بڑا فائدہ تو یہ ہے، کہ ہر موقع پر بروقت رہنمائی مل جانے سے قلب و ذہن کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔ مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل نوٹ ۱۴۰ ۔

۴۲ ۔ اصل میں لفظ ترتیل استعمال ہوا ہے جس کے معنی حسنِ ترتیب، حسن تالیف، حسنِ کلام کے ہیں۔ (دیکھئے القاموس ج ۳ ص ۲۹۲)

مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو اگرچہ تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے لیکن اس سے کلام غیر مربوط نہیں ہوا ہے، بلکہ اس کی ترتیب میں کمال درجہ کا حُسن رکھا گیا ہے۔ چنانچہ جو لوگ قرآن میں غور و فکر کرتے ہیں وہ اس کی حسنِ ترتیب (Well-arranged) کو دیکھ کر اس کے معجزانہ کلام ہونے پر یقین کرنے لگتے ہیں۔

۴۳ ۔ یعنی معترضین کی طرف سے جس وقت جس شبہ کا بھی اظہار ہوتا ہے، اس کا صحیح جواب نہایت واضح انداز میں قرآن میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ یہ قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اور موقع موقع سے نازل کرنے کی ایک اور مصلحت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔

۴۴ ۔ مراد تورات ہے جو آغازِ نبوت سے نازل ہونا شروع ہوگئی تھی، اس کا کچھ حصہ فرعون کے غرق ہونے سے پہلے نازل ہوا اور بقیہ حصہ اس کے بعد۔ یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ تورات پوری کی پوری بیک وقت نازل ہوئی تھی۔ کیوں کہ یہ بات نہ قرآن میں بیان ہوئی ہے اور نہ موجودہ تورات میں اس کا کہیں ذکر ہے۔ اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ آسمانی کتابوں کا نزول موقع کی مناسبت سے تھوڑا تھوڑا کر کے ہوتا رہا ہے۔

۴۵؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ طٰہٰ، نوٹ ۲۹؎ ، ۳۰؎ ۔

۴۶؎ مراد قومِ فرعون ہے۔ اور آیتوں کو جھٹلانے سے مراد خدا کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی وہ نشانیاں ہیں، جو کائنات میں پھیلی ہوئی اور انسانوں کی فطرت کے اندر ودیعت ہیں۔ فرعون ان آیتوں کو جھٹلانے کا پہلے ہی سے مجرم تھا۔ نیز اس نے انبیائی تاریخ کے آثار اور حضرت یوسف کے نقوش کو جو انہوں نے اس ملک میں چھوڑے تھے، بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ اور یہی حال اس کی قوم کا بھی تھا۔ اس لئے حضرت موسیٰ کے حجت قائم کرنے سے پہلے بھی فرعون اور اس کی قوم مجرم تھی۔ اور ان کے حجت قائم کرنے کے بعد تو اس کا جرم اور سنگین ہو گیا اور اس کی حق سے دشمنی کھل کر سامنے آ گئی۔

معلوم ہوا کہ جس قوم پر کسی نبی کے ذریعہ حجت قائم نہ بھی ہوئی ہو۔ لیکن اس نے خدا کی ان نشانیوں کو جو کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں اور انسان کی فطرت کے اندر ودیعت ہیں جھٹلا کر گمراہی اختیار کی ہو، سرکش اور کافر ہی کہلائے گی۔

۴۷؎ فرعون اور اس کے لشکر کو تو ڈبو دیا گیا اور مصر میں اس کی قوم بھی تباہ کر دی گئی۔

۴۸؎ نوح کی قوم نے حضرت نوح کو جھٹلایا تھا، لیکن اس بات کو تمام رسولوں کو جھٹلانے سے تعبیر کیا گیا۔ کیوں کہ ایک رسول کو جھٹلانا تمام رسولوں کو جھٹلانا ہے۔

۴۹؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ہود، نوٹ ۷۴؎ اور سورۂ فجر، نوٹ ۸؎ تا ۱۱؎ ۔

۵۰؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ہود نوٹ ۸۶؎ اور سورۂ فجر نوٹ ۱۲؎ تا ۱۴؎ ۔

۵۱؎ اصحاب الرس کے معنیٰ ہیں کنویں والے۔ یہ ایک قوم تھی جس کی طرف کسی نبی کی بعثت ہوئی تھی۔ اور جب اس نے جھٹلایا تو وہ تباہ کر دی گئی۔ یہ قوم کہاں آباد تھی اور اس کی طرف کس نبی کو بھیجا گیا تھا اس کی صراحت قرآن نے نہیں کی، بلکہ عبرت پذیری کے لئے اس کی تباہی کا ذکر کیا۔ کسی صحیح حدیث میں بھی اس قوم کے حالات بیان نہیں ہوئے ہیں۔ اس لئے ہمیں قرآن کے اجمالی بیان پر اکتفاء کرنا پڑے گا۔ مفسرین نے جو مختلف اقوال نقل کئے ہیں وہ محض قیاسی باتیں ہیں۔

۵۲؎ معلوم ہوا کہ دوسری بہت سی قومیں ہیں جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے۔ اور ان کو جھٹلانے پر ان قوموں کو تباہ کر دیا گیا۔ لیکن ان تمام قوموں کا ذکر قرآن نے نام لے کر نہیں کیا ہے۔ یہ قومیں مختلف ملکوں میں رہی ہوں گی اور عجب نہیں کہ قدیم ہندوستان کی بھی کوئی قوم تباہ کر دی گئی ہو۔

اور اس بستی پر سے تو ان کا گزر ہوا ہے جس پر بدترین بارش برسائی گئی تھی۔ کیا اسے یہ دیکھتے نہیں ہیں؟ مگر یہ لوگ مرنے کے بعد اٹھائے جانے کی توقع ہی نہیں رکھتے۔ اور جب یہ تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق اڑاتے ہیں۔ کیا یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے ہمیں اپنے معبودوں سے برگشتہ کر ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے۔ عنقریب جب یہ عذاب کو دیکھ لیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے راہ سے بالکل بھٹکا ہوا ؟ (القرآن)

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾

۳۹ ہم نے ہر ایک کے سامنے مثالیں پیش کی تھیں ۵۳؎۔ اور ہر ایک کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾

۴۰ اور اس بستی پر سے تو ان کا گزر ہوا ہے جس پر بدترین بارش برسائی گئی تھی ۵۴؎۔ کیا اسے یہ دیکھتے نہیں ہیں؟ مگر یہ لوگ مرنے کے بعد اٹھائے جانے کی توقع ہی نہیں رکھتے۔ ۵۵؎

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾

۴۱ اور جب یہ تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق اڑاتے ہیں۔ کیا یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

۴۲ اس نے ہمیں اپنے معبودوں سے برگشتہ کر ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے۔ عنقریب جب یہ عذاب کو دیکھ لیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے راہ سے بالکل بھٹکا ہوا ؟ ۵۶؎

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾

۴۳ تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟ ۵۷؎ کیا تم اس (کو راہ راست پر لانے) کے ذمہ دار بن سکتے ہو؟ ۵۸؎

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ ۭ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾

۴۴ کیا تم سمجھتے ہو کہ اُن میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ سے بھٹکے ہوئے۔ ۵۹؎

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاۗءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾

۴۵ کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمہارا رب کس طرح سایہ کو پھیلا دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اسے ساکن بنا دیتا۔ پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا۔ ۶۰؎

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾

۴۶ پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔ ۶۱؎

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾

۴۷ اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس ۶۲؎، نیند کو سکون ۶۳؎ اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنایا۔ ۶۴؎

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾

۴۸ اور وہی ہے جو اپنی رحمت ۶۵؎ کے آگے آگے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے۔ اور ہم آسمان سے نہایت پاکیزہ پانی اتارتے ہیں۔ ۶۶؎

لِّنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾

۴۹ تا کہ اس کے ذریعہ (زمین کے) مُردہ خطہ کو زندہ کریں اور اپنی مخلوقات میں سے بہ کثرت چوپایوں اور انسانوں کو سیراب کریں۔

۵۳ ۔ یعنی مثالیں دے کر سمجھایا تھا اور تباہ شدہ قوموں کی مثالیں پیش کی تھیں ۔

۵۴ ۔ مراد قوم لوط کی بستیاں ہیں ۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ہود، نوٹ ۱۱۹ ۔

۵۵ ۔ آدمی جب آخرت کے معاملہ میں سنجیدہ نہ ہو تو واقعات سے کوئی عبرت حاصل نہیں کرتا ۔ جو لوگ نہیں چاہتے کہ ان کو دوبارہ زندگی ملے اور ان کو ان کا رب ان کے اچھے اعمال کی جزا دے، وہ انبیائی تاریخ کی غلط توجیہ کر کے اپنی دنیا پرستی میں مگن رہتے ہیں ۔

۵۶ ۔ یعنی آج تو نبی کی دعوتِ توحید کو اپنے مذہب کے لئے خطرہ سمجھ رہے ہیں اور اسے گمراہی قرار دے رہے ہیں ۔ لیکن جب وہ اپنی بت پرستی اور شرک کا بھیانک انجام دیکھ لیں گے تو اس وقت انہیں اس بات کا احساس ہوگا، کہ ان کی اپنے بتوں اور معبودوں سے عقیدت سراسر گمراہی تھی اور وہ اس گمراہی میں بہت دور نکل گئے ۔ راہِ ہدایت وہی تھی جس کی طرف اللہ کا رسول انہیں بلا رہا تھا ۔

۵۷ ۔ خواہشات کو خدا بنا لینے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی خواہشات کا غلام بن جائے ۔ فطرت کی پکار پر کان دھرنے اور عقلِ سلیم سے کام لینے کے بجائے اپنے کو خواہشات کے حوالے کر دے ۔ ایسا شخص وحیِ الٰہی کی اس لئے مخالفت کرتا ہے کہ خواہشات اس کا ساتھ نہیں دیتیں ۔ اور یہ خواہش پرستی ہی ہے جو انسان کو اس کے مرتبہ سے گرا کر حیوانیت کی سطح پر لے آتی ہے ۔ موجودہ دور میں اس کی نمایاں شکل اباحیت پسندی ہے ۔ یعنی خواہشات کو بلا روک ٹوک پورا کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دینا ۔ ایسے شخص کا بت اس کے دل میں ہوتا ہے اور وہ اس کا پرستار بن جاتا ہے ۔

۵۸ ۔ یعنی فہمائش اسی شخص کو کی جا سکتی ہے جو اپنے ہوش و حواس سے کام لینے کے لئے آمادہ ہو ۔ جو شخص اپنی خواہشات کے پیچھے اندھا ہو گیا ہو اس کو سمجھانا ایک نبی کے بس کی بھی بات نہیں ہے ۔

۵۹ ۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف، نوٹ ۲۷۶ ۔

۶۰ ۔ یہاں انسان کو خدا کی اس نشانی کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جسے سایہ کہتے ہیں ۔ سایہ مکانوں اور درختوں وغیرہ کا بھی پڑتا ہے اور انسان کا اپنا سایہ بھی، جو اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور اس کو دعوت فکر دیتا رہتا ہے ۔ سایہ پھیلتا بھی ہے اور سکڑتا بھی ہے اور اس کا پھیلنا اور سکڑنا سورج کے طلوع و غروب اور اس کے عروج و زوال کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ گویا سورج سایہ کے لئے دلیلِ راہ ہے ۔

اگر پھیلے ہوئے سایہ کو اللہ دائمی بنا دیتا تو درختوں وغیرہ کے ایک رخ پر ہی سایہ پڑتا اور دوسرا رخ سورج کی تمازت ہی میں رہتا ۔ لیکن سایہ کے متحرک اور کم و بیش ہونے سے حرارت اور ٹھنڈک میں بڑا توازن پیدا ہو گیا ہے ۔ کیا یہ ایک ارادہ رکھنے والی اور تدبیر کرنے والی ہستی کی کارفرمائی نہیں ہے ؟

۶۱ ۔ سایہ صبح کے وقت پھیلا ہوتا ہے پھر جیسے جیسے سورج چڑھتا جاتا ہے سایہ گھٹتا جاتا ہے ۔ اور زوال کے بعد پھر بڑھنے لگتا ہے یہاں تک کہ سورج غروب ہونے پر غائب ہو جاتا ہے ۔

۶۲ ۔ رات پردہ پوشی کرتی ہے اس لئے اسے لباس سے تعبیر کیا گیا ۔

۶۳ ۔ نیند تکان کو دور کرتی ہے اور آرام پہنچاتی ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی اور عجیب نعمت ہے جس سے ہر شخص بہرہ مند ہوتا ہے ۔ مگر اس بات پر غور کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا کہ یہ کس کا احسان ہے ؟ اور وہ محسن کیسا ہے جس کی مہربانیوں کی کوئی حد نہیں ہے ؟

۶۴ ۔ رات سونے کے لئے تھی تو دن اٹھ کھڑے ہونے کے لئے ہے تاکہ حیات تازہ حاصل کرے ۔ اور یہ اٹھ کھڑے ہونا قیامت کے دن اٹھ کھڑے ہونے کی دلیل بھی ہے اور یاددہانی بھی ۔ دلیل اس بنا پر کہ جو نیند طاری کرنے کے بعد بیدار کرتا ہے وہ موت طاری کرنے کے بعد زندگی بھی عطا کر سکتا ہے ۔ اور یاددہانی اس پہلو سے کہ صبح کا اٹھنا قیامت کے دن اٹھنے کی یاد دلاتا ہے ۔ اسی لئے حدیث میں صبح اٹھتے ہی یہ کلمات ادا کرنے کی ہدایت آئی ہے ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ۔ (مشکوٰۃ کتاب الدعوات بحوالہ بخاری)

''تعریف و شکر اللہ کے لئے ہے جس نے موت کے بعد زندگی بخشی اور اسی کی طرف اٹھ کھڑے ہونا ہے ۔''

۶۵ ۔ مراد بارانِ رحمت ہے ۔

۶۶ ۔ بارش کا پانی جو اوپر سے اترتا ہے نہایت صاف ستھرا ہوتا ہے ۔ نیز وہ اس خصوصیت کا بھی حامل ہوتا ہے کہ گندگی کو دور کرے اور پاک و صاف بنائے ۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝٥٠

۵۰ اور ہم نے اس کو ان کے درمیان طرح طرح سے بیان کر دیا ہے ۶۷ ۔ تا کہ وہ یاد دہانی حاصل کریں مگر اکثر لوگوں نے قبول نہیں کیا۔ اگر قبول کی تو ناشکری!

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۝٥١

۵۱ اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک خبردار کرنیوالا بھیج دیتے۔ ۶۸ ۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝٥٢

۵۲ تو ان کافروں کی بات تم نہ مانو اور اس کے ذریعہ ۶۹ ۔ ان کے ساتھ زبردست جہاد کرو۔ ۷۰ ۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝٥٣

۵۳ وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو ملایا۔ ایک شیریں خوشگوار اور دوسرا کھاری تلخ۔ اور دونوں کے درمیان اس نے ایک پردہ حائل کر دیا اور ایک رکاوٹ کھڑی کر دی۔ ۷۱ ۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝٥٤

۵۴ اور وہی ہے جس نے پانی سے ایک بشر پیدا کیا ۷۲ ۔ پھر اس کیلئے نسب اور سسرال کے رشتے بنائے ۷۳ ۔ تمہارا رب بڑی قدرت والا ہے۔ ۷۴ ۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ۝٥٥

۵۵ اور یہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان ۷۵ ۔ اور کافر اپنے رب کا مخالف بن گیا ہے۔ ۷۶ ۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝٥٦

۵۶ اور (اے پیغمبر) ہم نے تم کو بس خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ۷۷ ۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝٥٧

۵۷ کہو میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں طلب کر رہا ہوں مگر یہ کہ جو چاہے اپنے رب کی راہ اختیار کر لے۔ ۷۸ ۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۗ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۝٥٨

۵۸ اور اس پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں ۷۹ ۔ اور اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو ۸۰ ۔ اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے کے لئے وہ کافی ہے۔ ۸۱ ۔

اِلَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝٥٩

۵۹ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور ان تمام چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں چھ دنوں میں پیدا کیا ۸۲ ۔ پھر عرش پر بلند ہوا ۸۳ ۔ وہ رحمٰن ہے۔ اس کی شان (اس) باخبر سے پوچھو۔ ۸۴ ۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝٦٠

۶۰ ان لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں رحمٰن کیا ہے؟ ۸۵ ۔ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کا تم ہمیں حکم دو۔ اس سے ان کی نفرت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ ۸۶ ۔

۶۷ ۔ مراد قرآن ہے جس کے مضامین مختلف اسلوبوں میں بیان ہوئے ہیں ۔ یہاں ہٗ (اس کو) کی ضمیر اسی طرح قرآن کی طرف راجع ہے جس طرح آگے آیت ۵۲ میں ہے ۔ مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انعام، نوٹ ۱۰۹ ۔

۶۸ ۔ یعنی اللہ کے لئے یہ بات نہایت آسان تھی کہ ہر بستی سے ایک پیغمبر اٹھاتا ۔ لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ایک پیغمبر اس شان کا مبعوث کیا جائے کہ پوری دنیا کو خبردار کرنے کے لئے کافی ہو جائے ۔ چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تاریخ ساز شخصیت بنا کر، قرآن جیسے زندہ معجزہ کے ساتھ، ایسی مرکزی جگہ بھیجا گیا، کہ ساری دنیا کے لئے آپ کی رسالت کافی ہوگئی ۔

۶۹ ۔ یعنی قرآن کے ذریعہ، جیسا کہ قرائن سے واضح ہے ۔

۷۰ ۔ اس آیت میں قرآن کے ذریعہ کافروں کے ساتھ جہادِ کبیر کا حکم دیا گیا ہے ۔

جہاد کے معنیٰ ہیں ۔

وَالْجِهَادُ وَالْمُجَاهَدَةُ استفراغ الْوَسعِ فِی مُدافعةِ الْعدوِّ ''جہاد اور مجاہدہ یہ ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں پوری طاقت لگا دی جائے ۔''

(مفردات راغب ص ۱۰۰)

یہ سورہ مکی دور کی ہے اور مکی دور میں تلوار سے جہاد کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا ۔ اس لئے اس آیت میں جہاد سے مراد دعوتِ حق کو پیش کرنے میں انتہائی سرگرمی دکھانا، مخالفتوں اور مزاحمتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے باطل سے کشمکش کرنا ہے ۔ پھر یہ جہاد قرآن کے ذریعے بڑے پیمانہ پر کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس دعوتی جہاد میں قرآن تمہارا ہتھیار ہو، کفر اور شرک کی تردید میں قرآنی آیتوں کو پیش کیا جائے، کافروں کے شبہات اور اعتراضات کا جو جواب قرآن نے دیا ہے وہ ان کو سنایا جائے، قرآن کی تنبیہات سنا کر ان کو خبردار کیا جائے اور ان کی کافرانہ باتوں کا توڑ قرآن کے ذریعہ کیا جائے ۔

آج بھی دعوتی میدان میں قرآن کے ذریعہ جہاد کرنے کی سخت ضرورت ہے ۔ یعنی غیر عربی داں لوگوں کے سامنے قرآن کو ترجمہ کے ساتھ پیش کرنا، اس کے مضامین پیش کر کے شبہات کو دور کرنے کی کوشش کرنا اور مخالفین کے تیروں کے مقابلہ میں قرآن کو سپر بنانا بہت بڑا جہاد ہے، جو وقت کا نہایت اہم تقاضا ہے ۔ اور اس راہ کے مجاہد وہی لوگ بن سکتے ہیں جن پر قرآن کی دھن سوار ہو اور وہ اس کے علمبردار بن کر میدان میں آئیں ۔

۷۱ ۔ متن میں لفظ بَحْرَین استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ ہیں دو بحر ۔ عربی میں بحر سمندر کو بھی کہتے ہیں اور دریا کو بھی، چنانچہ دریائے نیل کو البحر الازرق (Blue Nile) اور البحر الابیض (White Nile) کہا جاتا ہے ۔ آیت میں دو بحر سے مراد دریا کا سمندر سے مل جانا ہے ۔ دریا کا پانی میٹھا ہوتا ہے اور سمندر کا کھاری، مگر جہاں دریا سمندر میں جا گرتا ہے وہاں دونوں کا پانی اپنے اپنے حدود میں اپنی خصوصیات لئے رہتا ہے ۔ سمندر کی زبردست موجیں دریا سے ٹکراتی ہیں لیکن اس کے پانی کو کھاری نہیں بنا دیتیں ۔ دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے جو دکھائی نہیں دیتا ۔ اور ایک حد فاصل ہے جو دونوں کو اپنی جگہ قائم رکھے ہوئے ہے ۔ اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس انکشاف کا ذکر ہے کہ شمالی سائبیریا (روس) کے ساحل پر جہاں بڑے بڑے دریا بحر شمالی میں گرتے ہیں ان کا تازہ پانی کثافت میں کم ہونے کی وجہ سے سطح ہی پر رہتا ہے جب کہ بحر شمالی کی گہرائیوں میں کھاری پانی حسب معمول موجود ہوتا ہے ۔

"Because this fresh water is less dense, it remains on the surface, the salinity at greater depth in the Arctic ocean is normal for sea water."

(Encyclopaedia Britannica Vol.13 P.487)

کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہاں ایک کنٹرول کرنے والی ہستی ہے ۔ جس کے قوانین اس طرح نافذ ہو رہے ہیں کہ ہر چیز اپنی حد میں ہے ۔ اور کوئی چیز بھی سر مو تجاوز نہیں کر سکتی ۔ لوگ اس بات کو قوانین طبیعی سے تعبیر کرتے ہیں مگر کوئی بھی قانون قوتِ نافذہ کے بغیر عمل میں نہیں آتا ۔ پھر یہ قوانین طبیعی (Physical Laws) ایک نافذ کرنے والی ہستی کے بغیر کس طرح عمل میں آ گئے ؟

۷۲۔ یعنی پانی کے ایک قطرہ سے جسے نطفہ کہا جاتا ہے۔

۷۳۔ یعنی ایک طرف خونی (رحمی) رشتے چلائے اور دوسری طرف بیوی کے تعلق سے سسرالی رشتے۔ اس طرح انسان کی زندگی میں خاندان اور اجتماعیت کا سلسلہ چلا۔

۷۴۔ جو ہستی پانی کے ایک قطرے سے ایک عظیم اجتماعیت کو وجود میں لاسکتی ہے اس کی قدرت سے کیا چیز بعید ہے؟

۷۵۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورہ انعام نوٹ ۱۱۸۔

۷۶۔ یعنی ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ لوگ اللہ سے جو ان کا حقیقی رب ہے بندگی کا تعلق قائم کرتے، مگر وہ اپنے کفر کی بنا پر اس کے حریف بن کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ان کو اللہ کی پاکیزگی اور اس کی صفاتِ حمیدہ بیان کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ البتہ ایسی باتیں بیان کرنے سے انہیں دلچسپی ہے جو اس کے شایانِ شان نہیں۔ اور جن سے عیب اور نقص رکھنے والے خدا کا تصور سامنے آتا ہے۔ وہ اس سے وفاداری کا تعلق قائم کرنے کے بجائے سرکشی اور بغاوت پر اتر آئے ہیں۔ وہ اس کے رسول کی پیروی کرنے کے بجائے اس کی مخالفت میں سرگرم ہو گئے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر حماقت کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے رب ہی کا حریف بن کر کھڑا ہو جائے۔

۷۷۔ یعنی پیغمبر کا کام ایمان لانے والوں کو بشارت دینا اور کفر کرنے والوں کو انجام بد سے خبردار کرنا ہے۔ ایمان لانے پر لوگوں کو مجبور کرنا پیغمبر کی ذمہ داری نہیں۔

۷۸۔ یعنی میں اللہ کا پیغام تمہارے اپنے فائدہ ہی کے لئے پہنچا رہا ہوں۔ اس خدمت پر میں نے تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا ہے کہ تم شک میں پڑو، کہ یہ سب کچھ اپنی غرض کے لئے کیا جا رہا ہے۔ میری تبلیغ کی واحد غرض یہ ہے کہ لوگوں پر اللہ کی راہ روشن ہو پھر جو چاہے اپنی مرضی سے اس راہ کو اختیار کر لے۔

۷۹۔ یعنی اللہ مشرکین کے مردہ خداؤں کی طرح نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس پر موت کبھی طاری ہونے والی نہیں۔

۸۰۔ یعنی اس کے گن گاتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرو کہ اس سے توکل کی صفت پروان چڑھتی ہے۔

۸۱۔ یعنی مخالفت کرنے والوں کا معاملہ اللہ کے حوالہ کر دو۔ وہ اپنے بندوں کے جرائم سے باخبر ہے اس لئے وہ ان کے کئے کی پوری پوری سزا دے گا۔

۸۲۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۸۲۔

۸۳۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۸۳۔

۸۴۔ یعنی خدا کیسا ہے اور اس کی خوبیاں (صفات Attributes) کیا ہیں اس کے بارے میں قیاس اور گمان سے کوئی بات کہنا یا اہل مذاہب کی فلسفیانہ باتوں پر اعتماد کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ یہ بات خدا (اللہ) ہی سے پوچھی جانی چاہئے کیوں کہ وہی اپنی صفات سے اچھی طرح باخبر ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی صفات اپنی کتاب (قرآن) میں بیان کر دی ہیں۔ لہٰذا اس کی صفات معلوم کرنے کے لئے اس کتاب کی طرف رجوع کرو۔

۸۵۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل نوٹ ۱۴۵۔

یہ آیت سجدہ ہے اس لئے اس کی تلاوت کرنے یا سننے پر فوراً سجدہ کرنا چاہئے۔

۸۶۔ یعنی اپنے خدائے مہربان (رحمٰن) کے آگے سجدہ کرنے میں تو انسان کو اپنی سعادت سمجھنا چاہئے۔ مگر مشرکوں کو یہ حکم بھی ناگوار ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ خدا سے اور زیادہ دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

مگر جو توبہ کرے، ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اللہ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اور جو توبہ کر کے نیک عمل کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ کی طرف پلٹتا ہے۔ اور جو باطل کے گواہ نہیں بنتے۔ اور اگر کسی لغو چیز سے ان کا گزر ہوتا ہے تو پروقار انداز میں گزر جاتے ہیں۔ (القرآن)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾

۶۱ بڑا بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے ۸۷؎ اور اس میں ایک چراغ ۸۸؎ اور روشن چاند بنایا۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾

۶۲ اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا، ہر اس شخص کے لئے جو یاددہانی حاصل کرنا چاہے یا شکرگذار بننا چاہے۔ ۸۹؎

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾

۶۳ اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں ۹۰؎ جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔ ۹۱؎ اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام۔ ۹۲؎

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾

۶۴ جو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں راتیں گذارتے ہیں۔ ۹۳؎

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾

۶۵ جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! جہنم کے عذاب کو ہم سے دور رکھ۔ اس کا عذاب بالکل چمٹ کر رہنے والا ہے۔ ۹۴؎

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾

۶۶ وہ بہت بُرا ٹھکانہ اور بہت بُری رہنے کی جگہ ہے۔ ۹۵؎

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

۶۷ جو خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ تنگی، بلکہ ان کا خرچ دونوں کے درمیان اعتدال پر رہتا ہے۔ ۹۶؎

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾

۶۸ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے ۹۷؎ کسی جان کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے قتل نہیں کرتے مگر حق کی بنا پر ۹۸؎ اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں ۹۹؎ جو کوئی ان باتوں کا مرتکب ہوگا اسے گناہ کا نتیجہ بھگتنا ہوگا۔

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾

۶۹ قیامت کے دن اس کے عذاب کو دوہرا کر دیا جائے گا ۱۰۰؎ اور وہ اس میں ذلّت کے ساتھ پڑا رہے گا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾

۷۰ مگر جو توبہ کرے، ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا ۱۰۱؎۔ اللہ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ۱۰۲؎

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾

۷۱ اور جو توبہ کر کے نیک عمل کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ کی طرف پلٹتا ہے۔ ۱۰۳؎

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٢﴾

۷۲ اور جو باطل کے گواہ نہیں بنتے ۱۰۴؎۔ اور اگر کسی لغو چیز سے ان کا گزر ہوتا ہے تو پروقار انداز میں گزر جاتے ہیں۔ ۱۰۵؎

۸۷۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ حجر، نوٹ ۱۴۔

۸۸۔ یعنی سورج۔

۸۹۔ یعنی دن اور رات کے ایک دوسرے کے پیچھے پابندی کے ساتھ آنے کا یہ سلسلہ دعوتِ فکر دیتا ہے۔ جو شخص بھی اس کی طرف متوجہ ہوگا وہ اپنے رب کے کمالِ قدرت اور آثارِ رحمت کا مشاہدہ کرے گا۔ یہ مشاہدہ اسے توحید کا سبق بھی دے گا اور اس کے اندر شکر کے جذبات بھی پیدا کرے گا۔ کہ اس کا رب بڑا مہربان ہے جس نے انسان کی ضرورتوں کو پورا کرنے اور اس کو آرام اور سکون پہنچانے کا کیسا انتظام کر رکھا ہے۔

۹۰۔ مراد خدائے رحمٰن کے مخلص بندے ہیں۔ انہیں اپنے ان اوصاف کی بنا پر جو آگے بیان ہوئے ہیں، یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ عبادُ الرحمٰن (رحمٰن کے بندے) کہلائیں اور اس بات کے مستحق ہوئے کہ خدائے رحمٰن کی رحمت سے مالا مال ہوں۔

۹۱۔ انسان کی چال اس کے کردار کا مظہر ہوتی ہے۔ جو لوگ پورے شعور کے ساتھ اپنے کو اللہ کی بندگی میں دیتے ہیں۔ ان کی چال سے فروتنی اور خاکساری کا اظہار ہوتا ہے، بخلاف اس کے خدا سے پھرے ہوئے لوگوں کی چال تکبر اور گھمنڈ کو ظاہر کرتی ہے۔

تواضع کے ساتھ چلنے کا مطلب نمائشی طور پر آہستہ آہستہ چلنا نہیں ہے، بلکہ احساس بندگی کے ساتھ قدم اٹھانا اور سکون و وقار کے ساتھ قدم رکھنا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار حدیث میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔

اِذازالَ زالَ قَلعاً، یَخطُو تَکَفِّیًا ویَمْشِی هَوْنًا، ذریعَ الْمِشْیَةِ اِذَا مَشیٰ کَاَنَّمَا یَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ۔ (شمائل ترمذی)

''چلتے تو مضبوط قدم اٹھاتے، جھک کر قدم رکھتے، فروتنی کے ساتھ چلتے اور اس تیزی سے کہ گویا بلندی سے ڈھلوان کی طرف جا رہے ہیں۔''

۹۲۔ جاہل سے مراد نادان، غیر سنجیدہ اور جذباتی لوگ ہیں۔ ایسے لوگ جب الجھنے لگیں تو ان کے منہ لگنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ سلامتی کی بات کہہ کر ان سے رخصت ہونا ہی بہتر ہے۔

''وہ کہتے ہیں سلام'' کا مطلب سلامتی کی بات کہنا بھی ہے اور رخصتی کلمہ بھی۔

۹۳۔ یعنی رحمٰن کے بندے اپنی راتیں خدا سے غافل لوگوں کی طرح نہیں گذارتے۔ وہ رات کے اوقات میں بھی عبادت میں سرگرم ہو جاتے ہیں، مغرب اور عشاء کی فرض نمازوں کے علاوہ تہجد کی نفل نماز کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ وہ چین کی نیند نہیں سوتے بلکہ اٹھ اٹھ کر اللہ کے حضور قیام کرتے اور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں نماز سے کتنا شغف اور عبادت سے کتنا لگاؤ ہوتا ہے۔ مگر آج عام طور سے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی راتیں فالتو فلمیں دیکھنے میں گذارتے ہیں۔ تہجد کے وقت جو دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے مسلمانوں کے گھروں سے ویڈیو پر گانے بجانے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

۹۴۔ یعنی جہنم کا عذاب ایسا نہیں کہ آدمی کوئی تدبیر کر کے چھٹکارا پائے، بلکہ ایسا ہے کہ جو اس کی لپیٹ میں آ گیا اس سے وہ چمٹ کر رہ گیا۔

جہنم کے عذاب کے اس تصور سے خدائے رحمٰن کے بندے کانپ اٹھتے ہیں۔ اور خدا کے حضور دعا کرتے ہیں کہ وہ انہیں اس سے بچا لے۔ اس آیت میں گویا اللہ کے مثالی بندوں کا یہ اسوہ پیش کیا گیا ہے، کہ انہیں اصل فکر جو دامن گیر ہوتی ہے وہ نجاتِ اخروی کی فکر ہے۔

۹۵۔ یعنی جہنم دونوں لحاظ سے بُری ہے۔ منزل ہونے کے لحاظ سے بھی کہ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی اور دائمی قیام گاہ ہونے کے لحاظ سے بھی، کہ اس میں رہنے والے ہمیشہ عذاب ہی بھگتتے رہیں گے۔

۹۶۔ اسراف یہ ہے کہ آدمی حدِ ضرورت سے زیادہ خرچ کرے۔ یعنی جن چیزوں میں خرچ کرنا جائز ہے ان میں بے دریغ خرچ کرے اور اس بات کی کوئی پرواہ نہ کرے کہ کس حد تک خرچ کرنا معقول اور مناسب ہے۔ آج کل معیار زندگی کو بلند کرنے کا ایسا شوق پیدا ہو گیا ہے کہ لوگ صریح اسراف کرنے لگے ہیں۔

رہی فضول خرچی، یعنی مال کو بے جا خرچ کرنا یا ناجائز کاموں میں خرچ کرنا تو وہ بدترین قسم کا اسراف ہے۔ اور اس کو قرآن نے ''تبذیر'' (فضول خرچ) سے تعبیر کیا ہے۔ اور تبذیر کرنے والوں کے بارے میں کہا ہے کہ وہ شیطان کے بھائی ہیں۔ (بنی اسرائیل آیت۔۲۷)

اور بخل یہ ہے کہ آدمی جائز ضرورتوں کو پورا کرنے میں بلا وجہ تنگی برتے۔ یا دوسروں کے حقوق کی ادائیگی سے بے پرواہ ہو جائے۔ اسراف اور بخل (تنگی) کے درمیان اعتدال کی راہ یہ ہے کہ آدمی افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کرے اور ان پر مناسب حد تک خرچ کرے۔ نیز دوسروں کے حقوق بھی ادا کرے۔

واضح رہے کہ اچھی غذاؤں کے موجود ہوتے ہوئے محض نفس کو مارنے کے لئے ان سے پرہیز کرنا، ان لوگوں کا طریقہ ہے جنہوں نے زہد کے نام پر ریاضتوں کی شریعت بنائی۔ اسلام کے سیدھے سادے طریقۂ زندگی اور اس کی آسان شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۹۷۔ پکارنے کا مطلب حاجت روائی کے لئے پکارنا بھی ہے اور پرستش بھی۔ قرآن میں دعا (پکارنا) کا لفظ عبادت کے معنیٰ میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اور حدیث میں آتا ہے ''الدعاء ھوالعبادہ۔'' ''دعا عبادت ہے'' (مشکوٰۃ کتاب الدعوات بحوالہ احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

اس آیت میں رحمٰن کے بندوں کی صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ اللہ ہی کو پکارتے ہیں اور اسی کی پرستش کرتے ہیں۔ ان کا طریقہ ان لوگوں جیسا نہیں ہوتا جو خدا کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی حاجت روائی کے لئے پکارتے ہیں۔ اور خدا کی پرستش کے ساتھ دوسروں کی بھی پرستش کرتے ہیں۔ یہ سراسر شرک ہے اور رحمٰن کے بندوں کا دامن شرک سے پاک ہوتا ہے۔

۹۸۔ قرآن کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ ہر انسانی جان محترم ہے، یہاں تک کہ ایک نوزائیدہ بچے کی جان بھی۔ (واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت۔ سورہ تکویر آیت ۸، ۹) اور انسانی جان کی حرمت اتنی شدید ہے کہ اس پر دست درازی کرنے والا سنگین جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ قتل کرنا اس صورت میں جائز ہے جب کہ ''حق'' کی بنا پر ہو۔ اس حق کو شریعت نے خود واضح کر دیا ہے۔ اس لئے اس دائرہ سے باہر کسی کو قتل کرنے کے لئے کوئی وجہ جواز (Justification) نہیں ہے۔ انسان کے خود ساختہ قوانین یا کسی غیر اسلامی حکومت کے احکام اگر کسی ایسے قتل کو جائز قرار دیتے ہیں جس پر شریعت کے بیان کردہ ''حق'' کا اطلاق نہیں ہوتا تو اس کا ارتکاب ظلم ہے اور بہت بڑے گناہ کا موجب۔ شریعت نے جن صورتوں میں قتل کو حق کا تقاضا قرار دیا ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ قصاص میں قتل کرنا۔ ''اَنَّ النَّفسَ بالنَّفسِ'' جان کے بدلہ جان۔ (مائدہ۔۴۵)

۲۔ زمین میں فساد برپا کرنے کی صورت میں قتل کرنا۔ اَوۡ فَسَادٍ فِی الۡاَرۡضِ (مائدہ۔۳۲) مثلاً رہزنی اور امن عامہ کو تباہ کرنے والے متشددانہ اقدامات، اس اصول کے تحت اگر کوئی ظالم گروہ مسلمانوں کے کسی گروہ پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ اپنی مدافعت (Self-defence) کے لئے قتل تک کا اقدام کر سکتا ہے۔

۳۔ کافروں اور مشرکوں سے اللہ کی راہ میں جہاد اس کے شرائط کے ساتھ فَاِنۡ قٰتَلُوۡکُمۡ فَاقۡتُلُوۡھُمۡ کَذٰلِکَ جَزَآءُ الۡکٰفِرِیۡنَ ''اگر وہ تم سے لڑیں تو انہیں قتل کر دو کہ کافروں کا یہی بدلہ ہے۔ (بقرہ۔۱۹۱)

۴۔ مسلمانوں کا ایک گروہ اگر دوسرے گروہ پر جارحانہ حملہ کرے تو اس سے لڑنا یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لے۔ فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ''تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لے۔'' (حجرات۔۹)

۵۔ جارحانہ حملہ کی صورت میں اپنی مدافعت کرنا (Self-defence) خواہ حملہ آور کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَھُمُ الۡبَغۡیُ ھُمۡ یَنۡتَصِرُوۡنَ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُھَا۔ ''اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اس کا بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہی ہے۔'' (شوریٰ۔۳۹، ۴۰)

اور حدیث میں ہے:

جاءَ رجلٌ اِلیٰ رسولِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسولَ اللہ اَرأیت اِنْ جاءَ رَجلٌ یَرِیْدُ اَخذَ مالی فقال فلاتعطہٖ مالک قالَ اَرَأَیت اَنْ قَاتَلَنِیْ قَالَ قاتِلْہُ قَالَ اَرَأَیتَ اِن قَتَلنی قالَ فَاَنْتَ شَھیْدٌ قال اَرَأَیتَ ان قَتَلتُہٗ قَالَ فھُوَ فِی النَّارِ۔

(مسلم کتاب الایمان)

''ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا۔اے اللہ کے رسول آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو میرا مال چھین لینے کے ارادہ سے آئے؟ فرمایا اپنا مال اسے نہ دو، اس شخص نے عرض کیا اگر وہ مجھ سے لڑے تو؟ فرمایا تم بھی اس سے لڑو۔اس نے عرض کیا اگر وہ مجھے قتل کر دے ۔ فرمایا تم شہید ہو جاؤ گے۔اس نے عرض کیا اگر میں اسے قتل کر دوں فرمایا وہ جہنم میں جائے گا۔''

اور مال کی حفاظت سے زیادہ جان کی حفاظت ہے۔اور ایک عورت کے لئے اپنی عصمت کی حفاظت اہمیت رکھتی ہے۔اس لئے جان، مال اور آبرو پر حملہ ہونے کی صورت میں ظالم کو قتل کرنا اگر ناگزیر ہو تو مظلوم کو مدافعت کے لئے قتل کا حق ہے۔

۶۔اللہ اور اس کے رسول کے خلاف مسلح بغاوت کرنے والوں کو قتل کی سزا دینا۔اس کا اطلاق اس مسلح بغاوت پر ہوتا ہے جو اسلامی حکومت کا تختہ الٹنے اور اس کی جگہ غیر اسلامی نظام حکومت قائم کرنے کے لئے کی جائے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا۔۔۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ قتل کر دیئے جائیں۔(مائدہ۔۳۳)

۷۔ شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سنگسار کرنا۔یہ حکم سنت (احادیث صحیحہ) سے ثابت ہے۔

لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مسلم یَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنّی رسولِ اللہِ اِلَّا باحدیٰ ثلاثٍ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ و الثیب الزَّانی وَ الْمَارِقُ مِنَ الدِّیْنِ التارک الجماعۃ۔(بخاری کتاب الدیات)

''کسی مسلمان کا جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں خون جائز نہیں الا یہ کہ ان تین صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آجائے: اس نے کسی کا خون کیا ہو یا شادی شدہ ہو کر زنا کا مرتکب ہوا۔یا دین سے نکل گیا ہو اور ملّت کو چھوڑ دیا ہو (یعنی مرتد ہو گیا ہو)''۔

۸۔مرتد یعنی اسلام سے پھر جانے والوں کو قتل کرنا، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں بیان ہوا ہے۔

واضح رہے کہ ان میں سے متعدد صورتیں ایسی ہیں جن کا تعلق امام یعنی اسلامی حکومت سے ہے۔کیوں کہ ان صورتوں میں ملزم کو صفائی کا موقع دینا اور شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ضروری ہے:

فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ''حاکم یا اس کا نائب ہی حدود کو نافذ کر سکتا ہے۔افراد کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے طور سے اس کام کو انجام دیں۔''

(فقہ السنۃ السید سابق ج ۲ ص ۳۶۲)

۹۹۔ زنا کی حرمت پر وضاحتی نوٹ کے لئے دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل، نوٹ ۴۱ ۔

۱۰۰۔ یعنی ایک عذاب تو کفر اور شرک کا اور دوسرا عذاب قتل اور زنا جیسے جرائم کا۔واضح ہوا کہ کافروں اور مشرکوں کو بغاوت کی سزا تو ملے گی ہی، جو نہایت دردناک اور دائمی ہوگی۔مزید اس سزا میں اضافہ ان کے جرائم کی بنا پر ہوگا جن کے وہ مرتکب ہوئے تھے اور جس نوعیت کا جرم ہوگا اسی کی مناسبت سے سزا ملے گی۔

۱۰۱۔ اس میں ان لوگوں کی تشفی کا سامان ہے جن کی زندگیاں شرک سے آلودہ رہیں اور جو قتل اور زنا جیسی بڑی بڑی معصیتوں کا ارتکاب کرتے رہے، لیکن حق کے واضح ہو جانے پر وہ اللہ کی طرف پلٹے، پچھلے گناہوں پر شرمسار ہوئے، ایمان لائے اور نیک روی اختیار کی۔ایسے لوگوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کی برائیوں

کو نیکیوں سے بدل دے گا، یعنی ان کو یہ توفیق عطا ہوگی کہ وہ بُرائیوں کی جگہ اچھے اور نیک کام کریں۔ چنانچہ دورِ جہالت میں جن کی زندگیاں گناہوں سے آلودہ تھیں، قبول اسلام کے بعد ان کی زندگیاں نہایت پاکیزہ ہوگئیں۔ اصل چیز گناہ کا احساس ہے۔ جب یہ احساس بندہ کے دل میں پیدا ہوجاتا ہے تو اس کے فکر و عمل میں نہایت خوشگوار تبدیلی رونما ہونے لگتی ہے۔

۱۰۲؎ یعنی توبہ کرنے والے یہ بندے، اللہ سے امید رکھیں کہ وہ ان کے پچھلے گناہ بخش دے گا، اور ان پر رحم فرمائے گا کہ وہ غفور و رحیم ہے۔

۱۰۳؎ اس آیت میں توبہ کی حقیقت واضح کر دی گئی ہے۔ توبہ یہ نہیں ہے کہ آدمی بدعملی میں مبتلا رہے اور زبان سے توبہ توبہ کرتا رہے۔ بلکہ توبہ یہ ہے کہ آدمی بُرائی سے باز آئے اور نیک روی اختیار کرے۔ جو شخص اس لازمی تقاضے کے ساتھ اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے وہ درحقیقت معصیت کو چھوڑ کر اللہ کی طرف پلٹتا ہے۔ اور جو اللہ کی طرف پلٹتا ہے اسے وہ کیوں نہ اپنے دامنِ رحمت میں جگہ دے گا۔

۱۰۴؎ ''زور'' کے معنیٰ جھوٹ اور باطل کے ہیں۔ اور ''لَا یَشْهَدُوْنَ'' کے معنیٰ گواہی نہ دینے کے بھی ہیں اور حاضر اور مشاہد نہ بننے کے بھی۔ اگرچہ الفاظ کا عموم دونوں معنیٰ کو لئے ہوئے ہے، لیکن بعد کا فقرہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں خاص طور سے مراد باطل چیزوں کا تماشائی نہ بننا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رحمٰن کے بندوں کو باطل سے ایسی نفرت ہوتی ہے کہ جہاں اس کا مظاہرہ ہو رہا ہو۔ وہاں وہ اپنی حاضری سے اس کی تقویت کا سامان نہیں کرتے اور نہ اس کے تماشائی بن کر اپنی بے غیرتی کا ثبوت دیتے ہیں، بلکہ ایسی چیزوں سے کنارہ کش رہتے ہیں۔

اس اصولی ہدایت کے پیش نظر مسلمانوں کیلئے جائز نہیں کہ وہ شرک کے اڈوں اور مندروں کی سیر کریں۔ مشرکانہ مراسم اور پوجا پاٹ کے موقع پر موجود رہیں، بھومی پوجا کے پروگراموں میں شرکت کریں اور مشرکانہ تہواروں کو اپنے وجود سے زینت بخشیں۔ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''حضرت عمر نے فرمایا ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے ان کے تہوار کے موقعہ پر اجتناب کرو۔ اور امام احمد فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے تہواروں میں شرکت جائز نہیں۔ ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْر سے ہے۔'' (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۵ ص ۳۲۶)

۱۰۵؎ یعنی اگر اتفاق سے ان کا گزر کسی بیہودہ بات کی طرف سے ہوا تو وہ نہ اس سے دلچسپی لیتے ہیں اور نہ اس کے تماشائی بنتے ہیں، بلکہ شریفانہ اور پُروقار انداز میں گزر جاتے ہیں، جس طرح کسی نفاست پسند آدمی کا گزر گندگی کے ڈھیر کی طرف سے ہوتا ہے، تو وہ اس پر ایک نگاہ غلط ڈالنا بھی پسند نہیں کرتا اور تیزی سے آگے نکل جاتا ہے۔

موجودہ دور میں تو لغو باتیں تہذیبِ جدید کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آرہی ہیں اور اس کثرت سے سامنے آرہی ہیں کہ آدمی کا سلامتی کے ساتھ راستوں سے گزرنا بھی مشکل ہو کر رہ گیا ہے۔ مگر جن لوگوں کی اخلاقی حس بیدار ہوتی ہے وہ سنجیدگی اور وقار کا دامن کسی حال میں نہیں چھوڑتے۔

❑❑❑❑❑❑

جنہیں ان کے رب کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے ۔ جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطاء فرما۔ اور ہم کو متقیوں کا امام بنا۔ یہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کے بدلہ میں بالا خانے عطاء کئے جائیں گے ۔ اور وہاں ان کا خیر مقدم دعا اور سلام سے ہوگا۔ وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے، بہت اچھا ٹھکانہ اور بہت اچھی رہنے کی جگہ ہے وہ! (القرآن)

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾

۷۳ جنہیں ان کے رب کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے ۔ ۱۰۶؎

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

۷۴ جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطاء فرما ۔ ۱۰۷؎ اور ہم کو متقیوں کا امام بنا ۔ ۱۰۸؎

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾

۷۵ یہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کے بدلہ میں بالا خانے عطاء کئے جائیں گے ۱۰۹؎ اور وہاں ان کا خیر مقدم دعا اور سلام سے ہوگا ۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾

۷۶ وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے ، بہت اچھا ٹھکانہ اور بہت اچھی رہنے کی جگہ ہے وہ !

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

۷۷ کہو میرے رب کو تمہاری کیا پروا اگر تم اسے نہ پکارو ، ۱۱۰؎ تم نے جھٹلا دیا ہے لہٰذا عذاب تمہیں لازماً پکڑ لے گا ۔

۱۰۶ ۔ یعنی ان کا حال ان لوگوں کا سا نہیں جو ایسے بے حس ہوتے ہیں کہ اگر انہیں اللہ کی آیتوں، اس کی کتاب کے دلائل اور اس کی تعلیمات کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے، حق کو سننے کے لئے ان کے کان بہرے ہو جاتے ہیں اور حق کو دیکھنے کے لئے ان کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس جب رحمٰن کے بندوں کو آیات الٰہی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ کھلے کان سے نصیحت کو سنتے ہیں۔ اور کھلی آنکھوں سے اللہ کی نشانیوں کو دیکھتے ہیں۔

۱۰۷ ۔ رحمٰن کے بندے اپنی بیوی بچوں کی طرف سے بے پرواہ نہیں ہوتے کہ چاہیں وہ جنت کی راہ اختیار کریں یا جہنم کی۔ بلکہ ان کی ہدایت کے لئے فکر مند رہتے ہیں اور اس بات کے شدید خواہش مند ہوتے ہیں کہ وہ ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کریں۔ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے بیوی بچوں کا صالح ہونا ہے نہ کہ دنیوی صلاحیتوں اور دولت سے مالا مال ہونا۔ گویا خدا کے ان بندوں کا معیارِ پسند بالکل صحیح ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر ان کے بیوی بچے نیک کردار بن جاتے ہیں تو وہ ان کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بن جاتے ہیں۔ اسی لئے وہ اللہ سے اس کی توفیق کے لئے دعا گو ہوتے ہیں۔

۱۰۸ ۔ یعنی سربراہی کا جو مقام ہمیں اپنے گھر والوں پر حاصل ہے، اس کے زیر اثر ان کی صحیح دینی تربیت ہو اور تقویٰ کی صفت ان کے اندر پیدا ہو، بالفاظ دیگر ہماری قیادت تقویٰ کی قیادت ہو اور ہمارے پیچھے چلنے والے متقی بن جائیں۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کے مخلص بندوں کے دل میں یہ خیال کس طرح انگڑائیاں لیتا رہتا ہے کہ ان کے بال بچے متقی اور پرہیزگار بن جائیں۔ مگر موجودہ دور کے مسلمانوں کا عام طور سے حال یہ ہے کہ ان کی اپنی زندگیاں بھی تقویٰ سے خالی ہیں، اور انہیں اس بات سے بھی کوئی دلچسپی نہیں کہ ان کے بال بچے متقی بن جائیں۔ وہ ان کو کچھ ''اور'' ہی بنانا چاہتے ہیں تاکہ دنیا میں ان کی پوری پوری قدر ہو۔ رہی آخرت تو کلمہ گو لوگوں کو اس کی کچھ زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں!

۱۰۹ ۔ جنت کے بالا خانوں کی حقیقت تو وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوگی۔ لیکن قرآن کے ان الفاظ سے یہ تصور ضرور بندھتا ہے کہ جنت میں اونچے اونچے محل ہوں گے۔

جنت کے یہ بلند محل رحمٰن کے بندوں کو ان کے صبر کے بدلہ میں ملیں گے۔ اس سے صبر کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ وہ ان تمام اوصاف کے لئے جو اوپر بیان ہوئے ہیں بمنزلۂ بنیاد کے ہے۔ یعنی یہ اوصاف اسی صورت میں پیدا ہو سکتے ہیں جب کہ آدمی جذباتی ہونے کے بجائے سنجیدہ بن جائے اور اپنی نگاہیں مقصدِ حق پر جمائے رکھے۔

۱۱۰ ۔ یہ خاتمۂ کلام ہے جس میں خطاب کا رُخ انکار کرنے والوں کی طرف پھر گیا ہے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم صرف اللہ کو حاجت روا مان کر اس کو پکارنے اور اس کی عبادت کرنے کے لئے تیار نہیں ہو، تو خوب سمجھ لو کہ اس سے نہ اس کا کچھ بگڑنے والا ہے اور نہ اس کو تمہاری پرواہ ہے۔ اس نے تمہارے سامنے حقیقت رکھ دی ہے اس کے بعد اگر تم بُرے انجام کو پہنچنا چاہتے ہو تو اس کے ذمہ دار تم خود ہو۔

❑❑❑❑❑❑

تفسیر
سورۃ الشعراء

۲۶۔ الشعراء

نام آیت ۲۲۴ تا ۲۲۶ میں مشرکین مکہ کے اس الزام کی تردید میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں، شعراء کا بے کردار ہونا واضح کیا گیا ہے، تاکہ لوگ ایک نبی اور ایک شاعر کے فرق کو محسوس کر سکیں۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام الشعراء ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور سورہ کی ترکیب اور اس کے مضامین پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکہ کے ابتدائی دور کے اخیر اخیر میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صداقت کو واضح کرنا اور اس سلسلے میں وارد کئے جانے والے شبہات کا ازالہ کرنا ہے۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۹ تمہیدی آیات ہیں، جن میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ کا رسول کس سوز و گداز کے ساتھ، لوگوں کو قبولِ حق کی دعوت دے رہا ہے۔ اور لوگ کس طرح اس سے بے رُخی برت رہے ہیں، اور مذاق میں اسے ٹال رہے ہیں۔ وہ اگر سنجیدہ ہوتے اور غور کرتے تو انہیں اس حق کی تائید میں، جو رسول پیش کر رہا ہے قدم قدم پر نشانیاں دکھائی دیتیں۔

آیت ۱۰ تا ۶۸ میں حضرت موسیٰ کی سرگذشت بیان ہوئی ہے۔ جس سے نہ صرف ان کی رسالت کی صداقت ثابت ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہٹ دھرم لوگ کسی بھی نشانی کو دیکھ کر، یہاں تک کہ حسی معجزہ کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔

آیت ۶۹ تا ۱۰۴ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ توحید کو پیش کیا گیا ہے جو انہوں نے اپنی قوم کو دی تھی۔

آیت ۱۰۵ تا ۱۱۹ میں متعدد انبیاء علیہم السلام کی دعوتِ حق کو پیش کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی مخالفین کے انجام کو بھی۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں انبیاء علیہم السلام کا ظہور، ان کی دعوت کی یکسانیت اور ان کے مخالفین کا بُرے انجام کو پہنچنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں کے بھیجے جانے کی واضح دلیل ہے۔ اور یہ دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بھی موجود ہے۔

آیت ۱۹۲ تا ۲۲۷ میں قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

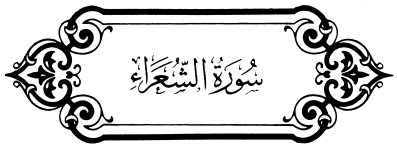

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ ①

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ②

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑨

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩

قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ⑪

قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ⑫

وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ⑬

۲۶۔ سُورۃُ الشعراء

آیات ۲۲۷

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ طا۔سین۔میم۔ ۱؎

۲ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔ ۲؎

۳ (اے پیغمبر!) شاید تم اپنے کو ہلاک کردو گے اس (سوز وغم) میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے! ۳؎

۴ اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ان پر ایسی نشانی اتار دیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی رہ جائیں۔ ۴؎

۵ ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے جو تازہ یاددہانی بھی آتی ہے یہ اس سے رُخ پھیرتے ہیں۔ ۵؎

۶ چنانچہ انہوں نے جھٹلا دیا تو جس چیز کا یہ مذاق اڑاتے ہیں اس کی حقیقت عنقریب ان کے سامنے آئے گی۔ ۶؎

۷ کیا انہوں نے زمین پر نگاہ نہیں ڈالی کہ ہم نے اس میں کتنی کثرت سے ہر قسم کی عمدہ چیزیں اُگائی ہیں؟

۸ یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے ۷؎۔ مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ۸؎

۹ اور بے شک تمہارا رب غالب بھی ہے اور رحیم بھی۔ ۹؎

۱۰ اور جب تمہارے رب نے موسیٰ کو پکارا ۱۰؎ کہ ظالم قوم ۱۱؎ کے پاس جاؤ۔

۱۱ فرعون کی قوم کے پاس۔ کیا وہ ڈرتے نہیں؟ ۱۲؎

۱۲ اس نے کہا اے میرے رب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔

۱۳ میرا سینہ تنگ ہوتا ہے ۱۳؎ اور میری زبان نہیں چلتی ۱۴؎۔ تو ہارون کی طرف رسالت بھیج۔ ۱۵؎

۱۔ یہ حروفِ مقطعات ہیں اور جیسا کہ ہم وضاحت کرتے آئے ہیں یہ حروف سورہ کے مخصوص مضامین کی طرف اشارہ کرتے ہیں ''ط'' کا اشارہ اطاعت کی طرف ہے، چنانچہ ہر پیغمبر نے لوگوں سے اَطِیْعُوْنَ (میری اطاعت کرو) کا مطالبہ کیا تھا جیسا کہ آیت ۱۰۸، ۱۲۶، ۱۴۴، ۱۵۰ اور ۱۶۳ میں بیان ہوا ہے۔

''س'' کا اشارہ سحر (جادو) کے الزام کی طرف ہے جو پیغمبروں پر لگایا جاتا رہا ہے۔ اور جس کا ذکر آیت ۳۴، ۳۵، ۴۹، ۱۵۳ اور ۱۸۵ میں ہوا ہے اور ''م'' کا اشارہ مرسلین (پیغمبروں) کی طرف ہے جو مختلف قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ یہ آیت ۱۰۵، ۱۴۱، ۱۶۰ اور ۱۷۶ میں آیا ہے۔

گویا ط س م سورہ کے اس مضمون کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں کہ اللہ نے مختلف قوموں کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے تھے۔ اور ان سب نے رسول ہونے کی حیثیت سے اپنی اطاعت کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن لوگوں نے ان پر جادو کا الزام لگایا، کسی کو ساحر کہا اور کسی کو مسحور۔ اس سے یہ تاریخی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبروں کے مخالفین کی ذہنیت ہمیشہ یکساں رہی ہے۔ اور آج بھی حضرت محمد ﷺ کے مخالفین اسی ذہنیت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ (حروف مقطعات کی مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۱۔ اور سورہ یونس نوٹ ۱۔)

۲۔ اس کی تشریح سورۂ یوسف، نوٹ ۲۔ میں گذر چکی۔

۳۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورہ کہف نوٹ ۷۔

۴۔ کفار نبی ﷺ سے حسی معجزہ طلب کر رہے تھے۔ اس کے جواب میں یہاں فرمایا گیا ہے اگر اللہ چاہے تو ان کا مطلوبہ معجزہ ہی نہیں ایسا حسی معجزہ بھی نازل کر سکتا ہے جس کے انکار کی گنجائش باقی ہی نہ رہے۔ اور یہ لوگ اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

یقیناً اللہ ایسا معجزہ دکھانے پر قادر ہے۔ لیکن اللہ کی مشیت یہ نہیں ہے۔ کیوں کہ مقصود عقل کا امتحان ہے نہ کہ کسی بات کے ماننے پر عقل کو مجبور کر دینا۔

۵۔ تقریباً یہی بات سورۂ انبیاء آیت ۲ میں بیان ہوئی ہے۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ انبیاء نوٹ ۲۔

۶۔ یعنی وہ نتائج اور وہ انجام ان کے سامنے آئے گا جس سے ان کو خبردار کیا گیا ہے اور جس کا وہ مذاق اڑانے میں لگے ہوئے ہیں۔

۷۔ یعنی زمین سے اُگنے والی بہ کثرت عمدہ نباتات میں اس حق کی واضح نشانیاں موجود ہیں جس کو پیغمبر پیش کر رہا ہے۔ یعنی توحید کی بھی اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے کی بھی۔ زمین پر جو دسترخوان بچھا دیا گیا ہے اس سے لوگ اپنے ذوق کی تسکین کا سامان تو کر لیتے ہیں، لیکن اس بات پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ یہ نفیس دسترخوان کس نے بچھایا ہے؟ وہ کیسی ہستی ہے جس نے یہ انواع واقسام کے کھانے اس وسیع دسترخوان پر چُنے ہیں؟ انسان پر نعمتوں کی بارش کر کے وہ اسے کیا بنانا چاہتا ہے؟ اور انسان کا اپنے اس محسن حقیقی کے ساتھ رویہ کیا ہونا چاہئے؟

۸۔ یعنی ان میں سے اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ ان قدرتی نشانیوں کو دیکھ کر جو ان کے اردگرد پھیلی ہوئی ہیں ایمان لانا نہیں چاہتے۔ واضح رہے کہ یہ اس صورتِ حال کا ذکر ہے جو اس وقت مکہ کی سوسائٹی میں پائی جاتی تھی۔ چنانچہ ہجرت تک لوگ خال خال ہی ایمان لائے۔

۹۔ اس موقع پر ان دو صفتوں کے ذکر سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ ایمان نہ لانے والے اللہ کے قابو سے باہر نہیں ہیں۔ وہ بلا تاخیر ان پر عذاب نازل کر سکتا ہے۔ لیکن اس کی رحمت اس بات کی متقاضی ہے کہ ان کو سنبھلنے کا مزید موقع دیا جائے۔ نیز اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ اگرچہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں، لیکن اللہ کے غلبہ اور اس کی رحمت کے کرشمے ظاہر ہو کر رہیں گے۔

۱۰۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت پیش کی گئی ہے۔ اس کی تشریح کے سلسلہ میں سورہ طٰہٰ، نوٹ ۹۔ تا ۹۴۔ پیش نظر رہیں۔

۱۱۔ فرعون کی قوم کا ذکر ظالم قوم کے نام سے کیا گیا۔ کیوں کہ اس کی سرکشی اور اس کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا تھا اور وہ بربریت پر اتر آئی تھی۔ جس کی واضح مثال اس کا اپنے ملک کی مسلم اقلیت (بنی اسرائیل) کے نوزائیدہ بچوں کو قتل کرنا تھا۔

بقیہ صفحہ ۱۲۴۰ پر

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾

۱۴ اور مجھ پر ان کے نزدیک ایک جرم کا بار بھی ہے اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔۱۶؎

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵ فرمایا ہرگز نہیں ۱۷؎ تم دونوں ہماری نشانیوں کے ساتھ جاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ سنتے رہیں گے۔۱۸؎

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶ فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں۔۱۹؎

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾

۱۷ (اور اس حکم کے ساتھ بھیجے گئے ہیں) کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔۲۰؎

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸ اس نے کہا کیا ہم نے تم کو اپنے یہاں بچپن میں پالا نہیں تھا؟ اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں نہیں گزارے۔۲۱؎

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹ اس کے بعد تم نے وہ حرکت کی جو کی، اور تم ناشکرے ہو!۲۲؎

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰ موسیٰ نے جواب دیا میں نے یہ اس وقت کیا جب کہ میں نابلد تھا۔۲۳؎

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱ پھر میں تم لوگوں کے خوف سے بھاگ گیا ۲۴؎۔ پھر میرے رب نے مجھے حکم عطاء کیا ۲۵؎ اور رسولوں میں شامل کر لیا۔

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾

۲۲ اور تو مجھ پر تیرا یہ احسان جتا رہا ہے جو تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔۲۶؎

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳ فرعون نے کہا رب العالمین کیا ہے ؟۲۷؎

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴ اس نے جواب دیا آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی موجودات کا رب، اگر تم یقین کرنے والے ہو۔۲۸؎

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵ اس نے اپنے اردگرد کے لوگوں سے کہا سنتے نہیں ہو؟۲۹؎

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶ موسیٰ نے کہا تمہارا بھی رب اور تمہارے گذرے ہوئے آباء و اجداد کا بھی رب۔۳۰؎

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾

۲۷ فرعون نے کہا تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے دیوانہ ہے۔۳۱؎

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸ موسیٰ نے کہا مشرق و مغرب اور ان کے درمیان کی ساری موجودات کا رب، اگر تم لوگ عقل رکھتے ہو۔۳۲؎

۱۶۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورہ طٰہٰ ،نوٹ ۴۲۔ یہ واقعہ تفصیل سے سورہ قصص میں آرہا ہے۔

۱۷۔ یعنی فرعون کی قوم تمہیں قتل نہیں کر سکے گی۔اور نہ تمہارے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوئی چیز مانع ہو سکے گی۔

۱۸۔ یعنی ہم تمہارے ساتھ سننے کے لئے موجود ہونگے ،اور فرعون جو جواب بھی دیگا اس سے ہم باخبر ہوں گے۔اس لئے تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔تمہیں جس مدد کی بھی ضرورت ہوگی ہم کریں گے۔

۱۹۔ فرعون کا دعویٰ اپنی سلطنت یعنی ملک مصر کی حد تک رب ہونے کا تھا اور وہ بھی مخصوص معنیٰ میں،اس لئے موسیٰ علیہ السلام کو یہ ہدایت ہوئی کہ وہ اپنے کو رب العالمین کے رسول کی حیثیت سے پیش کریں،تا کہ فرعون پر آغاز ہی میں واضح ہو جائے کہ اللہ مصر سمیت تمام کائنات کا حقیقی رب ہے۔

۲۰۔ بنی اسرائیل کے ارسال کا مطالبہ کوئی قومی مطالبہ نہیں تھا۔ بلکہ اللہ کا حکم تھا جس کو فرعون تک پہنچانے کی ہدایت حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو دی گئی تھی۔گویا ان پیغمبروں کو دعوت کے ساتھ اس مہم پر روانہ کیا گیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو ملک مصر سے نکال لائیں۔اس لئے انہوں نے آغاز ہی میں فرعون کے سامنے جہاں دعوت پیش کی ،وہاں یہ مطالبہ بھی پیش کر دیا کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دیا جائے۔سیاقِ کلام سے بالکل واضح ہے کہ یہ مطالبہ شروع ہی میں پیش کیا گیا تھا۔اس سے اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے کہ دعوتی مرحلہ میں کسی ظالم یا غیر اسلامی حکومت کے سامنے کوئی ملّی مطالبہ نہیں پیش کیا جا سکتا،اگر چہ دینی مصالح اس کے متقاضی ہوں۔مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۶۱۔

۲۱۔ حضرت موسیٰ کی پرورش کرشمۂ الٰہی سے فرعون کے گھر میں ہوئی تھی۔جس کی تفصیل سورۂ طٰہٰ ،نوٹ ۳۶۔ تا ۴۱۔ میں گذر چکی۔

۲۲۔ اشارہ ہے قتل کے اس واقعہ کی طرف جو حضرت موسیٰ سے غلطی سے سرزد ہوا تھا۔تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ طٰہٰ نوٹ ۴۳۔

۲۳۔ یہ حضرت موسیٰ کا اپنے نفس کی رُو رعایت کے بغیر اعتراف تھا کہ مجھ سے یہ غلطی ضرور سرزد ہوئی تھی۔لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ مجھ پر ہدایت کی راہ نہیں کھلی تھی ،جواب کھلی ہے۔یعنی اب میں منصب رسالت پر مامور کیا گیا ہوں اور پوری روشنی میں چل رہا ہوں۔اس لئے ماضی کی غلطی کو زیر بحث لانے سے کیا فائدہ؟

واضح رہے کہ آیت میں ضَلالت کا لفظ عقیدہ وعمل کی گمراہی کے معنیٰ میں نہیں ہوا ہے۔ بلکہ علم کی اس روشنی کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے جو انہیں نبوت کے بعد حاصل ہو گئی تھی۔قبطی کو انہوں نے دانستہ قتل نہیں کیا تھا بلکہ گھونسا مارنے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔اس لئے یہ واقعہ قتل خطا کا تھا۔حضرت موسیٰ نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ سے اپنی بخشش کے لئے جن الفاظ میں دعا کی تھی ،اس کے ایک ایک لفظ سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ اس وقت بھی ہدایت پر تھے۔(دیکھئے سورہ قصص آیت ۱۵ تا ۱۷)

۲۴۔ یعنی تم لوگوں کی سزا کے خوف سے۔

۲۵۔ حکم سے مراد دانائی اور حکمت ہے۔

۲۶۔ یہ حضرت موسیٰ کا فرعون کو منہ توڑ اور حقیقت کو آشکارا کرنے والا جواب تھا۔اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ تجھے وہ احسان تو یاد ہے جو تو نے مجھ پر میری پرورش کی صورت میں کیا،لیکن میری قوم بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر جو ظلم تو ان پر ڈھا رہا ہے اس کو تو بھول گیا! کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیرے احسان کا یہ بدلہ چکاؤں کہ بنی اسرائیل پر تیری طرف سے جو ظلم ہو رہا ہے،اس کے خلاف آواز نہ اٹھاؤں اور تجھے اپنی من مانی کرنے دوں؟ کیا تیرا یہ منشاء ہے کہ میں تیرے احسان تلے جو تو نے مجھ پر بچپن میں کیا تھا اس طرح دبا رہا ہوں کہ ایک مظلوم قوم کی گلوخلاصی کے لئے کچھ نہ کہوں؟

۲۷۔ فرعون کے اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس بات کا قائل نہیں تھا،کہ کائنات کا کوئی رب ہے جو تدبیر امر کرتا ہے۔رہا اس کا اپنے ربِّ اعلیٰ ہونے کا دعویٰ تو وہ مصر کی حد تک اور اس کے فرمانروا ہونے کی بنا پر تھا۔مصر کے فراعنہ اپنا رشتہ سورج دیوتا سے جوڑتے تھے جیسا کہ ہم سورۂ اعراف،نوٹ ۱۸۰۔ میں واضح

کر چکے ہیں۔اس کے نزدیک جو سلطنت کا مالک ہے وہ رعایا کیلئے مقتدر اعلیٰ بھی ہے اور معبود (لائق پرستش) بھی۔اس کو اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے اور کوئی بالاتر ہستی ایسی نہیں جو اس کو حکم دینے کا اختیار رکھتی ہو۔اس طرح وہ اپنی سیاسی اور مذہبی دونوں طرح کی حاکمیت کا مدعی تھا۔چنانچہ وہ اپنے من مانے حکام بھی جاری کرتا تھا اور لوگوں سے یہ مطالبہ بھی کرتا تھا کہ وہ اس کو پوجیں۔اِس لئے اس کے دعوے کو محض سیاسی حاکمیت کے معنیٰ میں لینا صحیح نہ ہوگا۔

۲۸؎ یقین علم سے حاصل ہوتا ہے اور علم کے حصول کا ایک اہم ذریعہ دلائل اور نشانیاں ہیں۔حضرت موسیٰ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ وسیع کائنات جس میں آسمان، زمین، سورج، چاند اور ستارے سب شامل ہیں، اس بات پر صریح طور سے دلالت کرتی ہے کہ یہاں ایک بلند و بالا ہستی ہے، جو پوری کائنات کی خالق بھی ہے اور مالک بھی، اور جس کی فرمانروائی سب پر چھائی ہوئی ہے۔لہٰذا انسان کا ربِّ حقیقی بھی وہی ہے۔اس حقیقت کا یقین تمہیں ہوسکتا ہے، بشرطیکہ تم دلیل کی روشنی میں اس کائنات پر غور کرو۔

۲۹؎ یہ حضرت موسیٰ کے جواب پر طنز اور تعجب کا اظہار ہوا تھا۔

۳۰؎ یہ مزید وضاحت تھی اس بات کی کہ رب العالمین کون ہے۔نیز اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اگر فرعون تمہارا رب ہے تو تمہارے آباواجداء کا رب کون تھا؟ یہ فرعون تو بعد میں پیدا ہوا ہے اس لئے ان کا رب ہونے کا تو یہ مدعی ہو نہیں سکتا۔مگر خالقِ کائنات کی ربوبیت ہمہ گیر ہے وہ گذرے ہوئے لوگوں سمیت تمام انسانوں کا رب ہے۔

۳۱؎ جب فرعون سے حضرت موسیٰ کی دلیل کا کوئی جواب بن نہ پڑا تو ان پر دیوانہ ہونے کا الزام لگایا۔وہ جانتا تھا کہ موسیٰ دیوانے نہیں ہیں، اگر وہ ان کو دیوانہ سمجھتا تو نہ بحث کو آگے بڑھاتا اور نہ ان سے اپنی سلطنت کے لئے خطرہ محسوس کرتا۔کیوں کہ کسی دیوانہ سے حکومت کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔

۳۲؎ یعنی مشرق و مغرب پر کس کی حکومت ہے؟ سورج کس کے حکم سے نکلتا اور ڈوبتا ہے؟ اور کون ہے جس کی فرمانروائی مشرق و مغرب کے درمیان کی تمام موجودات پر ہے؟ اگر آدمی عقل سے کام لے تو اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا کہ اللہ ہی رب العالمین ہے۔مشرق و مغرب کا ذکر کرنے میں اس بات کی طرف بھی اشارہ تھا، کہ فرعون تو زمین کے ایک محدود علاقہ کا محض مجازی حکمراں ہے وہ رب کیسے ہوسکتا ہے، جب کہ اس کو نہ مشرق پر اختیار ہے اور نہ مغرب پر۔

❑❑❑❑❑❑

بقیہ صفحہ ۱۲۳۷ سے آگے

۱۲؎ یعنی ظالمانہ حرکتیں کرتے ہوئے اپنے رب سے ڈرتے نہیں، کہ اس کا قہر ان پر نازل ہوسکتا ہے اور وہ اس کے غضب کا نشانہ بن سکتے ہیں۔

۱۳؎ یہ کیفیت رسالت کی گرانبار ذمہ داری کے احساس کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی۔

۱۴؎ یعنی روانی کے ساتھ نہیں چلتی۔تشریح کے لئے ملاحظہ ہو، سورۂ طٰہٰ نوٹ ۲۸؎۔

۱۵؎ یہ حضرت موسیٰ کا رسالت کو قبول کرنے سے انکار نہیں تھا جیسا کہ بائبل (خروج باب ۴: ۱۳۔۱۴) کا بیان ہے۔بلکہ رسالت کی عظیم ذمہ داریوں کو قبول کرتے ہوئے اپنی کوتاہ دستی اور مشکلات و موانع کا اظہار تھا تا کہ اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری فرمائے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسالت کا منصب کتنی عظیم ذمہ داری کا منصب ہے جس کو قبول کرتے ہوئے حضرت موسیٰ جیسا شخص کانپ اٹھتا ہے۔

فرعون نے کہا اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود (اِلٰہ) بنایا۔ تو میں تمہیں قید کر کے رہوں گے۔ موسیٰ نے کہا اس صورت میں بھی جب کہ میں تمہارے پاس ایک واضح چیز لے کر آیا ہوں؟ فرعون نے کہا تو پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا اور یکا یک وہ صریح اژدہا بن گیا۔ اور اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تو وہ دیکھنے والوں کیلئے روشن ہو گیا۔ فرعون نے اپنے سرداروں سے جو اس کے ارد گرد تھے کہا یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے۔ (القرآن)

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹ فرعون نے کہا اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود (اِلٰہ) بنایا ۳۳؎ ۔ تو میں تمہیں قید کر کے رہوں گے۔

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

۳۰ موسیٰ نے کہا اس صورت میں بھی جب کہ میں تمہارے پاس ایک واضح چیز لے کر آیا ہوں؟

قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱ فرعون نے کہا تو پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾

۳۲ موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا اور یکا یک وہ صریح اژدہا بن گیا۔ ۳۴؎

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳ اور اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تو وہ دیکھنے والوں کیلئے روشن ہو گیا۔ ۳۵؎

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

۳۴ فرعون نے اپنے سرداروں سے جو اس کے اردگرد تھے کہا یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے۔

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵ یہ چاہتا ہے کہ جادو کے زور سے تمہارے ملک سے تم کو نکال دے ۳۶؎ ۔ تو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶ انہوں نے کہا اس کو اور اس کے بھائی کو ابھی مہلت دیجئے اور شہروں میں نقیب بھیج دیجئے۔

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾

۳۷ کہ تمام ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾

۳۸ چنانچہ جادوگر ایک مقررہ دن وقت معین پر جمع کر دیئے گئے۔ ۳۷؎

وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹ اور لوگوں سے کہا کیا تم مجتمع ہو گے؟ ۳۸؎

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰ تا کہ ہم جادوگروں کے پیچھے چلیں اگر وہ غالب آ گئے۔ ۳۹؎

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱ جب جادوگر آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا ہمیں انعام تو ملے گا نا اگر ہم غالب آ گئے!

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲ اس نے کہا ہاں ضرور اور تم مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳ موسیٰ نے کہا ڈال دو جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے۔

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور بولے فرعون کی عزت کی قسم ۴۰؎ ہم ہی غالب رہیں گے۔

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵ پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا تو یکا یک وہ ان کے طلسم کو ہڑپ کرنے لگا۔ ۴۱؎

۳۳۔ واضح ہوا کہ فرعون کا دعویٰ محض سیاسی حاکمیت ہی کا نہیں تھا، بلکہ اپنے معبود (لائق پرستش) ہونے کا بھی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگ اس کو پوجتے بھی رہیں تاکہ اس کو اپنی رعایا میں تقدس کا مقام حاصل ہو، اور اس کی بادشاہت کی جڑیں مضبوط ہوں۔

۳۴۔ لاٹھی کا سانپ بن جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطاء کیا گیا۔ آپ کی لاٹھی حقیقۃً سانپ بن جاتی تھی اور اس کی شکل اژدہا کی سی ہوتی تھی۔ یہ واضح نشانی تھی اس بات کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس ہستی کی طرف سے بھیجے گئے ہیں جو کائنات کا رب ہے اور تمام اشیاء پر قدرت رکھتا ہے۔

۳۵۔ یہ دوسرا معجزہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو عطاء ہوا۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ طٰہٰ نوٹ ۲۳۔

۳۶۔ یہ جھوٹا الزام تھا جو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر لگایا ورنہ انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی۔ وہ تو بنی اسرائیل کو مصر سے باہر لے جانا چاہتے تھے۔ فرعون کی قوم کو ملک سے نکال باہر کرنے کا انہوں نے کوئی منصوبہ نہیں بنایا تھا۔ مگر فرعون نے ان پر یہ سیاسی الزام لگایا تاکہ لوگوں کو ان کے خلاف ورغلایا جاسکے۔

۳۷۔ یہ جشن کا دن تھا اور دن چڑھے کا وقت تھا جیسا کہ دوسری جگہ صراحت کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔

۳۸۔ سوالیہ انداز میں لوگوں کو جمع ہونے کی ترغیب دی گئی۔

۳۹۔ کہنے والے فرعون کے حامی تھے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ جو غالب ہوگا یا جو حق ظاہر ہوگا اس کی ہم اتباع کریں گے۔ بلکہ کہا کہ ہم جادوگروں کی اتباع کریں گے اگر وہ غالب آگئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ متعصّبانہ ذہنیت کے ساتھ آئے تھے۔ اور جادوگروں کی اتباع کا مطلب فرعون کے طریقہ کی اتباع تھا۔ چونکہ اس وقت دو فریق میں مقابلہ ہو رہا تھا ایک جادوگر دوسرے موسیٰ و ہارون۔ اس لئے انہوں نے ایک فریق کے حیثیت سے جادوگروں کا ذکر کیا ورنہ مراد فرعون کی ہی اتباع تھی۔

۴۰۔ عربی میں عزت کے معنی قوت اور غلبہ (Might & Power) کے بھی ہیں اور شرف (Honour) کے بھی۔ جادوگروں نے فرعون کی عزت کی قسم کھائی جس سے ان کی مشرکانہ ذہنیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۴۱۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۱۶۸۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا ﴿٤٦﴾

۴۶ اس پر جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔ ۴۲؎

قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٧﴾

۴۷ اور بول اٹھے ہم ایمان لائے رب العالمین پر۔

رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿٤٨﴾

۴۸ موسیٰ وہارون کے رب پر۔ ۴۳؎

قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٩﴾

۴۹ فرعون نے کہا تم نے اس کو مان لیا قبل اس کے کہ میں تم کو اس کی اجازت دیتا ۴۴؎۔ یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ ۴۵؎ تو ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔

قَالُوا لَا ضَيْرَ ۖ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ﴿٥٠﴾

۵۰ انہوں نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں۔ ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ۴۶؎

إِنَّا نَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا أَن كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾

۵۱ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطائیں معاف کر دے گا کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے۔ ۴۷؎

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿٥٢﴾

۵۲ اور ہم نے، موسیٰ پر وحی کی ۴۸؎ میرے بندوں کو لے کر رات میں نکل جاؤ۔ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ ۴۹؎

فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿٥٣﴾

۵۳ اس پر فرعون نے شہروں میں نقیب بھیجے۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ﴿٥٤﴾

۵۴ کہ یہ مٹھی بھر لوگ ہیں۔ ۵۰؎

وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ﴿٥٥﴾

۵۵ اور ہمیں غصہ دلا رہے ہیں۔

وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ ﴿٥٦﴾

۵۶ اور ہم ایک چوکنا رہنے والی جمعیت ہیں۔ ۵۱؎

فَأَخْرَجْنَاهُم مِّن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٧﴾

۵۷ بالآخر ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے نکالا۔

وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٥٨﴾

۵۸ اور خزانوں اور بہترین مقام سے۔ ۵۲؎

كَذَٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٥٩﴾

۵۹ (ان کے ساتھ) اسی طرح کیا۔ اور بنی اسرائیل کو ہم نے ان (نعمتوں) کا وارث بنا دیا۔ ۵۳؎

فَأَتْبَعُوهُم مُّشْرِقِينَ ﴿٦٠﴾

۶۰ انہوں نے صبح ہوتے ہی ان کا (بنی اسرائیل کا) تعاقب کیا۔ ۵۴؎

فَلَمَّا تَرَاءَى الْجَمْعَانِ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ﴿٦١﴾

۶۱ جب دونوں گروہ نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھی پکار اٹھے ہم تو پکڑے گئے!

قَالَ كَلَّا ۖ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٦٢﴾

۶۲ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں۔ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھے راہ دکھائے گا۔ ۵۵؎

۴۲۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف، نوٹ ۱۷۱۔

۴۳۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف، نوٹ ۱۷۲، ۱۷۳۔

جادوگروں کے ایمان لانے سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت موسیٰ جو کچھ پیش کر رہے ہیں وہ جادو نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ ہے۔ جادو اور معجزہ کے فرق کو جادوگر اچھی طرح جانتا ہے۔ ان کی یہ شہادت کہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی کا سانپ بن جانا جادو کے زور سے نہیں، بلکہ تائید الٰہی کی بنا پر ہے۔ حق و باطل کے فرق کو نمایاں کرنے والی بات تھی۔

۴۴۔ کیسی ظالمانہ حکومت ہوگی وہ، جہاں اللہ پر ایمان لانے کیلئے بھی حکومت سے اجازت لینے کی ضرورت ہو!

۴۵۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ طٰہٰ، نوٹ ۸۱۔

۴۶۔ دیکھئے سورۂ طٰہٰ نوٹ ۸۳۔

۴۷۔ یعنی اس نازک موقع پر فرعون کی قوم میں سے ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے بنے۔

۴۸۔ حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان ایک طویل عرصہ تک جو دعوتی کشمکش ہوتی رہی، اس کا ذکر سورۂ اعراف میں ہوا ہے۔ یہاں ابتدائی سرگذشت بیان کرنے کے بعد فرعون کے انجام کو بیان کیا گیا ہے۔ کیوں کہ موقع کے لحاظ سے یہاں یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ ہٹ دھرم لوگ معجزوں کو دیکھ کر ایمان نہیں لاتے۔ ان کی آنکھیں اس وقت کھلتی ہیں جب وہ انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔

۴۹۔ بنی اسرائیل مصر میں جُشن کے علاقہ میں رہتے تھے۔ اور بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے پے در پے نازل ہونے والی آفتوں سے تنگ آ کر انہیں پہلے تو جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن بعد میں اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اس لئے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔

ادھر حضرت موسیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل نے ہجرت کی تیاری کی ہوگی۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے مخصوص رات کو نکل جانے کا حکم دے دیا، تو بنی اسرائیل کا قافلہ حضرت موسیٰ کی قیادت میں نکل پڑا۔

رات کا وقت مقرر کرنے کی ایک مصلحت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ صحرا میں سفر کے لئے رات کا وقت سکون کا ہونے کی وجہ سے زیادہ موزوں ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی باخبر کر دیا تھا کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ یعنی فرعون والوں کو پیچھا کرتے دیکھ کر بنی اسرائیل پریشان نہ ہوں اللہ تعالیٰ ان کی نجات کا سامان کرے گا۔

۵۰۔ یعنی بنی اسرائیل ایک اقلیتی گروہ ہیں۔

۵۱۔ فرعون کا یہ اعلان فوج اور سرداروں کو ہر طرف سے مجتمع کرنے کے لئے تھا، تاکہ بنی اسرائیل کے خطرہ کا آخری طور سے مقابلہ کیا جا سکے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اُس کی اِس تدبیر کو ان ہی کے خلاف الٹ دیا۔ اور اس کی صورت وہ ہوئی جو آگے بیان ہوئی ہے۔

۵۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تدبیر ایسی ہوئی کہ فرعون، اس کے اعیانِ سلطنت اور اس کا لشکر اپنے عشرت کدوں کو چھوڑ کر، محض بنی اسرائیل کی دشمنی میں اس کا پیچھا کرنے کی غرض سے باہر نکل گئے۔ اور ایسے نکل گئے کہ پھر ان کو لوٹنا نصیب نہ ہوا۔

۵۳۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کو مصر کی ان چیزوں کا وارث بنا دیا۔ کیوں کہ مصر سے ہجرت کرنے کے بعد وادی تیہ ہوتے ہوئے انہوں نے فلسطین کا رُخ کیا جو ان کی اصل منزل تھی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو نعمتیں قوم فرعون کو عطاء ہوئی تھیں وہ ان سے چھین لی گئیں اور یہ نعمتیں (یعنی ایسی ہی نعمتیں) بنی اسرائیل کو عطا کی گئیں چنانچہ سورہ اعراف میں بیان ہوا ہے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا۔ (اعراف۔ ۱۳۷)

''اور جس قوم کو کمزور بنا کر رکھا گیا تھا ہم نے اس کو اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں۔'' (اعراف: ۱۳۷)

ظاہر ہے یہاں برکتوں والی سرزمین سے مراد فلسطین کی سرزمین ہے۔ اور قرآن یہ بھی صراحت کرتا ہے کہ اگر ایک طرف فرعون اور اس کے لشکروں کو غرق کر دیا گیا، تو دوسری طرف ملک پر ایسی تباہی لائی گئی کہ اونچی اونچی عمارتیں ڈھ گئیں۔ اور اس کی ساری تمدنی ترقی خاک میں مل گئی۔

وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ۔ (اعراف۔۱۳۷)

''اور فرعون اور اس کی قوم نے جو کچھ بنایا تھا اور جو عمارتیں بلند کی تھیں وہ سب ہم نے ملیا میٹ کر دیں۔''

مصر میں یہ تباہی غالباً پُرواہوا کے چلنے سے آئی تھی۔ واللہ اعلم

۵۴۔ یعنی جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔

۵۵۔ اس نازک موقع پر دراصل توکل کا امتحان تھا۔ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کی گھبراہٹ کو دور کرنے کے لئے جو کلمات کہے، اس سے ان کے کمالِ توکل کا اظہار ہوتا ہے۔

اس وقت ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ اپنا عصا سمندر پر مارو۔
چنانچہ سمندر پھٹ گیا اور ہر حصہ عظیم پہاڑ کی طرح بن گیا۔
وہاں ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لائے۔ اور موسیٰ اور ان
سب کو جو اُن کے ساتھ تھے ہم نے بچا لیا۔ پھر دوسروں کو
غرق کر دیا۔ یقیناً اس میں بہت بڑی نشانی ہے۔ مگر ان
لوگوں میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔ اور بے شک
تمہارا رب غالب بھی ہے اور رحیم بھی۔ (القرآن)

فَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنِ ٱضْرِب بِّعَصَاكَ ٱلْبَحْرَ ۖ فَٱنفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَٱلطَّوْدِ ٱلْعَظِيمِ ﴿٦٣﴾

۶۳ اس وقت ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ اپنا عصا سمندر پر مارو۔ چنانچہ سمندر پھٹ گیا اور ہر حصہ عظیم پہاڑ کی طرح بن گیا۔ ۵۶

وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ ٱلْـَٔاخَرِينَ ﴿٦٤﴾

۶۴ وہاں ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لائے۔ ۵۷

وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُۥٓ أَجْمَعِينَ ﴿٦٥﴾

۶۵ اور موسیٰ اور ان سب کو جو اُن کے ساتھ تھے ہم نے بچا لیا۔ ۵۸

ثُمَّ أَغْرَقْنَا ٱلْـَٔاخَرِينَ ﴿٦٦﴾

۶۶ پھر دوسروں کو غرق کر دیا۔ ۵۹

إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٦٧﴾

۶۷ یقیناً اس میں بہت بڑی نشانی ہے ۶۰۔ مگر ان لوگوں میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔ ۶۱

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٦٨﴾

۶۸ اور بے شک تمہارا رب غالب بھی ہے اور رحیم بھی۔ ۶۲

وَٱتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَٰهِيمَ ﴿٦٩﴾

۶۹ اور ان کو ابراہیم کا واقعہ سناؤ۔ ۶۳

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِۦ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾

۷۰ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ تم کن چیزوں کی پرستش کرتے ہو! ۶۴

قَالُوا۟ نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَٰكِفِينَ ﴿٧١﴾

۷۱ انہوں نے کہا ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور انہی کی پوجا پر ہم جمے رہیں گے۔

قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾

۷۲ اس نے پوچھا کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟

أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٧٣﴾

۷۳ یا تمہیں نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟

قَالُوا۟ بَلْ وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾

۷۴ انہوں نے جواب دیا نہیں بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے۔ ۶۵

قَالَ أَفَرَءَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٧٥﴾

۷۵ اس نے کہا تم نے ان (بتوں) کو دیکھا جن کو تم پوجتے رہے ہو۔ ۶۶

أَنتُمْ وَءَابَآؤُكُمُ ٱلْأَقْدَمُونَ ﴿٧٦﴾

۷۶ تم اور تمہارے پچھلے باپ دادا۔

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّىٓ إِلَّا رَبَّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٧٧﴾

۷۷ میرے تو یہ سب دشمن ہے ۶۷۔ سوائے رب العالمین کے۔

ٱلَّذِى خَلَقَنِى فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿٧٨﴾

۷۸ جس نے مجھے پیدا کیا اور وہ میری رہنمائی فرماتا ہے۔ ۶۸

وَٱلَّذِى هُوَ يُطْعِمُنِى وَيَسْقِينِ ﴿٧٩﴾

۷۹ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿٨٠﴾

۸۰ اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں ۶۹ تو وہ مجھے شفاء دیتا ہے۔ ۷۰

وَٱلَّذِى يُمِيتُنِى ثُمَّ يُحْيِينِ ﴿٨١﴾

۸۱ جو مجھے موت دے گا اور پھر مجھے زندہ کرے گا۔ ۷۱

۵۶ ۔ سمندر کا اس طرح پھٹنا کہ پانی کے دو حصے پہاڑ کی طرح کھڑے ہو جائیں اور بیچ میں خشک راستہ بن جائے، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ آیت ۷۷ میں بیان ہوا ہے، صریح معجزہ (خدا کی طرف سے ظاہر ہونے والا غیر معمولی واقعہ) تھا۔ یہ معجزۂ قرآن کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ کے سمندر پر عصا مارنے کے نتیجہ میں ظہور میں آیا تھا۔ اس لئے اس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نہ یہ خیال کرنا صحیح ہے کہ طوفانی ہواؤں کے نتیجہ میں سمندر کا پانی ہٹ گیا تھا۔ کیوں کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ طوفانی ہوائیں سمندر کے پانی کو ہٹا کر بیچ میں خشک راستہ بنا دیں۔ پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر طوفانی ہوائیں یا پُروا ہوا اتنی تیز چل رہی تھی کہ اس نے سمندر کے پانی کو ڈھکیل کر دیوار کھڑی کر دی تھی، تو بنی اسرائیل کے لئے ان طوفانی ہواؤں سے صحیح سلامت گزرنا کیوں کر ممکن ہوا۔ ایسا زبردست طوفان تو ان کی لاشیں گرا سکتا تھا۔ مگر کیا وجہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اس کی زد میں نہیں آیا۔ یہ عجب نہیں کہ اس وقت پُروا ہوا بھی چلی جیسا کہ بائبل کا بیان ہے، لیکن سمندر کے پھٹنے کو پُروا ہوا کا سبب قرار دینا صحیح نہیں۔ قرآن اس واقعہ کو ایک معجزہ کی حیثیت سے پیش کرتا ہے، نہ کہ اتفاقی حادثہ یا معمول کے مطابق وقوع میں آنے والے کسی واقعہ کی حیثیت سے۔

۵۷ ۔ یعنی فرعون والوں کو وہاں پہنچا دیا۔

۵۸ ۔ یعنی موسیٰ کی قیادت میں جو قافلہ چل رہا تھا وہ بخیریت سمندر کو عبور کر گیا۔ نہ ان کو کوئی گزند پہنچا اور نہ فرعون اور اس کا لشکر ان کو پکڑنے میں کامیاب ہوا۔

۵۹ ۔ لیکن دوسرے گروہ یعنی فرعون اور اس کے لشکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہوا، کہ جب وہ راستہ کھلا پا کر سمندر کے بیچ پہنچ گئے، تو اللہ کے حکم سے سمندر کے دونوں حصے ایک دوسرے سے مل گئے۔ اور فرعون بھی ڈوب مرا اور اس کا لشکر بھی جس میں اعیان سلطنت بھی شامل تھے۔ یہ حشر ہوا اس شخص کا جو رب اعلیٰ ہونے کا دعویدار تھا اور ان لوگوں کا جو اس کے حکم اور اشاروں پر چلتے تھے۔

۶۰ ۔ یعنی انبیائی تاریخ کے اس واقعہ میں اس بات کی صریح نشانی موجود ہے، کہ اللہ لوگوں کو راہِ حق دکھانے کے لئے رسول بھیجتا ہے۔ اور جب اس کی قوم اس پر ایمان لانے سے انکار کر دیتی ہے، اور اس کے خلاف تشدد پر اتر آتی ہے، تو اس قوم کو اللہ تعالیٰ عبرت ناک سزا دیتا ہے۔

فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی، اور حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور بنی اسرائیل کی ظالم قوم سے نجات، اور ان کا غیر معمولی طریقہ پر سمندر کو عبور کر جانا، ایک ناقابل انکار تاریخی واقعہ ہے، جو تورات (بائبل) سے بھی ثابت ہے اور قرآن سے بھی۔

گویا دنیا کی اکثریت (یہود، نصاریٰ اور مسلمان) اس پر متفق ہے۔ پھر کیا ایمان لانے کے لئے اتنی بڑی شہادت بھی کافی نہیں؟

۶۱ ۔ تشریح کے لئے دیکھئے نوٹ ۸ ۔

۶۲ ۔ تشریح کے لئے دیکھئے نوٹ ۹ ۔

اوپر کی آیت میں اور اس آیت میں جو مضمون بیان ہوا ہے، اس کو آگے بھی ہر واقعہ کے اختتام پر دہرایا گیا ہے، تاکہ غافل انسان چونک جائے۔

۶۳ ۔ یہاں ابراہیم علیہ السلام کا وہ واقعہ پیش کیا جا رہا ہے جو ان کی دعوت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور واضح کرنا یہ مقصود ہے کہ بت پرستی اور شرک وہ عظیم گمراہی ہے، جس سے بندگانِ خدا کو نجات دینے کے لئے ابراہیم جیسا جلیل القدر نبی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لہٰذا اگر آج قرآن کا پیغمبر اسی مقصد کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہے، تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے، بلکہ یہ انبیائی دعوت کا خاصہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام سب سے پہلے اسی گمراہی کا نوٹس لیتے ہیں اور پرزور انداز میں اس کی تردید کرتے ہوئے توحید کو پیش کرتے ہیں۔

۶۴ ۔ دعوت کا ایک حکیمانہ اسلوب یہ ہے کہ اس طرح کے سوالات ابھارے جائیں۔

دوسری بات یہ بھی واضح ہوئی کہ اگر بیٹا مؤمن اور باپ مشرک ہے تو بیٹے کو چاہئے کہ اپنے باپ کے سامنے توحید کی حجت پیش کرے کہ یہ اسوۂ ابراہیمی ہے۔

۶۵ ۔ بت پرستوں کا یہ اعتراف کہ بت نہ سنتے ہیں اور نہ نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں، بت پرستی کے بے حقیقت اور نا معقول ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ مگر اس نامعقولیت کو انہوں نے محض اس بنا پر جائز قرار دیا کہ باپ دادا سے ان کی پرستش ہوتی چلی آرہی ہے۔ یعنی ہم اپنے آبائی مذہب کو اور اپنے قومی کلچر کو کس طرح ترک کر سکتے ہیں؟

۶۶ ۔ یعنی باپ دادا کی اندھی تقلید کا مطلب تو غور و فکر کی صلاحیتوں کو معطل کر دینا ہے اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر غور و فکر کی صلاحیتیں انسان کو کس لئے عطا کی گئی ہیں۔ اگر اس لئے عطا کی گئیں ہیں کہ ان کو کام میں لا کر انسان صحیح اور غلط اور جائز و ناجائز میں تمیز کرے تو پرستش اور عبادت جیسے اہم ترین معاملہ میں انسان اندھا کیوں بن جاتا ہے؟ وہ اس بات پر کیوں نہیں سوچتا کہ جو معاملہ خداوند عالم کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ وہ اینٹ پتھر کے ساتھ کرنے کے کیا معنیٰ!

واضح رہے کہ بت پرست اپنے دیوی دیوتاؤں کے بارے میں تو وہم کی بنا پر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ان کو نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن بتوں کے بارے میں وہ یہ جھوٹا دعویٰ کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ بتوں کی بے بسی کا ہر شخص مشاہدہ کرتا ہے۔ جب کہ دیوی دیوتاؤں کا وجود محض خیالی ہے اس لئے ان میں خدا کی صفات پائے جانے کا دعویٰ کرنا ان لوگوں کے لئے آسان ہوا جو بے بنیاد باتوں پر مذہب کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

۶۷ ۔ یعنی بتوں کو میں اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ بتوں کو معبود بنانے کا نتیجہ جہنم ہے، اس لئے ان کو اپنا دشمن سمجھ کر ان سے دور رہنے میں ہی عافیت ہے۔

۶۸ ۔ یعنی جو میرا خالق ہے وہ میرا ہادی بھی ہے۔ اس لئے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا اور مذہب کے معاملہ میں وہ روشنی قبول نہ کروں جو وہ دکھا رہا ہے؟ اور وہم و گمان کی وادیوں میں بھٹکتا پھروں؟

۶۹ ۔ یہ بات اس طرح بھی کہی جا سکتی تھی ''وہی مجھے بیمار کرتا ہے''۔ لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے سوئے ادب کا پہلو تھا، اس لئے حضرت ابراہیم نے فرمایا ''جب میں بیمار ہوتا ہوں'' اس سے ان کے کمالِ ادب کا اظہار ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے لئے غایت درجہ کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہیں اور ان کی زبان سے جو کلمات نکلتے ہیں وہ جواہر ریزے ہوتے ہیں۔

۷۰ ۔ بیمار کو شفاء دینا اللہ ہی کا کام ہے۔ یہ بات مشرکین کو سمجھانے کی تھی مگر موجودہ دور کے مسلمانوں کو بھی سمجھانا پڑ رہی ہے۔ کیوں کہ وہ شفا پانے کے لئے درگاہوں کے چکر کاٹتے رہتے ہیں۔ صرف وہی مسلمان اس سے بچے ہوئے ہیں جو بتوفیق الٰہی صحیح عقیدہ رکھتے ہیں۔

۷۱ ۔ یہ توحید کے ساتھ قیامت کا ذکر اور اس پر ایمان لانے کا اظہار ہے۔

حضرت ابراہیم کی دعوت جو انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے سامنے پیش کی تھی، قرآن میں متعدد مقامات پر بیان ہوئی ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے مختلف مواقع پر مختلف انداز میں دعوت پیش کی۔ یہاں انہوں نے اپنے عقیدہ و ایمان کا اظہار کیا ہے کہ میں کس کو رب مانتا ہوں اور اس کی کیسی شان اور کیسی صفات ہیں۔ دعوت کا یہ اسلوب نفسیاتی اثر رکھتا تھا اور ہر شخص کو یہ سوچنے پر آمادہ کرنے والا تھا کہ وہ اپنے عقیدہ کا جائزہ لے۔

❑❑❑❑❑❑

اے میرے رب! مجھے حکمت عطا فرما۔ اور مجھے صالح
لوگوں میں شامل کر۔ اور بعد والوں میں میرے لئے
سچائی کا بول رکھ دے۔ اور مجھے جنّتِ نعیم کے وارثوں
میں شامل فرما۔ اور میرے باپ کو معاف کر دے کہ وہ
گمراہوں میں سے ہے۔ اور مجھے اس دن رسوا نہ کر جس
دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔ جس دن نہ مال فائدہ
دے گا اور نہ اولاد۔ (القرآن)

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾	۸۲ اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ جزا کے دن وہ میری خطائیں معاف فرمائے گا۔ ۷۲
رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾	۸۳ اے میرے رب! ۷۳ مجھے حکمت عطا فرما ۷۴۔ اور مجھے صالح لوگوں میں شامل کر۔ ۷۵
وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾	۸۴ اور بعد والوں میں میرے لئے سچائی کا بول رکھ دے۔ ۷۶
وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾	۸۵ اور مجھے جنتِ نعیم کے وارثوں میں شامل فرما۔ ۷۷
وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۸۶﴾	۸۶ اور میرے باپ کو معاف کر دے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔ ۷۸
وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾	۸۷ اور مجھے اس دن رسوا نہ کر جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔
یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾	۸۸ جس دن ۷۹ نہ مال فائدہ دے گا اور نہ اولاد۔
اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾	۸۹ صرف وہی لوگ (کامیاب ہوں گے) جو قلبِ سلیم لے کر ۸۰ اللہ کے حضور حاضر ہوں گے۔
وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۹۰﴾	۹۰ اور جنت متقیوں کے لئے قریب لائی جائے گی۔ ۸۱
وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ ﴿۹۱﴾	۹۱ اور جہنم گمراہوں کے لئے بے نقاب کر دی جائے گی۔ ۸۲
وَقِیْلَ لَهُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾	۹۲ اور ان سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم پرستش کرتے تھے؟
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ یَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾	۹۳ اللہ کو چھوڑ کر۔ کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا اپنا بچاؤ کریں گے؟ ۸۳
فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾	۹۴ پھر وہ اور تمام گمراہ لوگ اس میں اوندھے جھونک دیئے جائیں گے۔
وَجُنُوْدُ اِبْلِیْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾	۹۵ اور ابلیس کے سارے لشکر بھی۔ ۸۴
قَالُوْا وَهُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾	۹۶ وہ وہاں آپس میں جھگڑتے ہوئے کہیں گے۔
تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۹۷﴾	۹۷ اللہ کی قسم! ہم صریح گمراہی میں تھے۔ ۸۵
اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۸﴾	۹۸ جب کہ تم کو رب العالمین کے برابری کا ٹھہراتے تھے۔
وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾	۹۹ اور مجرموں ۸۶ ہی نے ہم کو گمراہ کیا تھا۔

۷۲۔ یہاں یہ بحث فضول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے کون سی خطائیں سرزد ہوئی تھیں، ہوسکتا ہے نبوت سے پہلے کی خطائیں مراد ہوں، بہرحال بندہ کا کام اپنے کو خطا کار سمجھ کر خدا سے معافی مانگنا ہے۔ کیوں کہ بعض مرتبہ خطائیں نادانستہ طور پر سرزد ہوجاتی ہیں اور انبیاء علیہم السلام میں تو یہ احساس بدرجۂ اتم موجود ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے معافی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کیا کرتے تھے۔ اور اسی احساس کا اظہار حضرت ابراہیم کے اس بیان سے ہوتا ہے۔

۷۳۔ اوپر کی آیت میں حضرت ابراہیم کا وہ ارشاد ختم ہوا جو انہوں نے اپنے باپ اور قوم سے خطاب کر کے فرمایا تھا۔ یہاں ان کی وہ دعا پیش کی جارہی ہے جو اسی ماحول میں انہوں نے کی تھی۔

۷۴۔ یعنی صحیح فہم عطا فرما کہ حالات کو سمجھ کر صحیح رخ اختیار کرسکوں۔ اور لوگوں کے سامنے حکمت بھری باتیں پیش کرسکوں۔

۷۵۔ صالح بننا اللہ ہی کی توفیق پر منحصر ہے۔ اسلئے ایک نبی بھی اس کیلئے اللہ سے توفیق طلب کرتا ہے۔ اور صالحین کے زمرہ میں شامل کئے جانے کی دعا کرتا ہے۔

۷۶۔ مراد دنیوی شہرت نہیں، بلکہ وہ ذکرِ خیر ہے جو سچی محبت اور والہانہ عقیدت کی بنیاد پر زبانوں پر جاری ہو۔ لسان صدقٍ (سچائی کا بول) کے الفاظ بڑے معنیٰ خیز ہیں۔ اور خاص طور سے اس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں کہ میرے فیضِ نبوت سے بعد والے بھی سرشار ہوں۔ اور میرے حق میں ہر طرف سے سچائی کی صدائیں بلند ہوں۔ آپ کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح شرف قبولیت بخشا کہ ہر زمانہ میں اہل ایمان آپ کو گلہائے عقیدت پیش کرتے رہے، یہاں تک کہ آخری امت کی نمازوں میں آپ کے ذکرِ جمیل نے جگہ پائی۔ چنانچہ جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جاتا ہے وہاں، **كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ** ''جس طرح تو نے ابراہیم پر اور ان کے آل پر درود بھیجا'' کے دعائیہ کلمات بھی ادا کئے جاتے ہیں۔ اور حج اور قربانی کے موقعہ پر کون ہے جو اس پیکر صدق و وفا کو نذرانۂ عقیدت پیش نہ کرتا ہو! **سلامٌ عَلٰى اِبْرَاهِيم** ''سلام ہو ابراہیم پر''

۷۷۔ معلوم ہوا کہ جنت کے نصیب ہونے کی دعا کرنا انبیائی طریقہ ہے۔ جنت سے بے نیاز ہوکر نیک کام کرنے کا نظریہ محض صوفیانہ تخیل کی پرواز ہے۔

۷۸۔ حضرت ابراہیم کی اپنے مشرک باپ کیلئے مغفرت کی دعا اس وقت کی بات ہے، جب کہ اس کی ممانعت نہیں آئی تھی۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ توبہ، نوٹ ۲۱۰۔

۷۹۔ حضرت ابراہیم کی دعا اوپر کی آیت پر ختم ہوگئی۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزِ جزاء کے بارے میں مزید صراحت ہے، تاکہ موقع کی مناسبت سے تذکیر ہو۔

۸۰۔ قلبِ سلیم (سلامتی والا دل) سے مراد جیسا کہ سیاق کلام (Context) سے واضح ہے، وہ دل ہے جو شرک سے پاک ہو اور توحید کا عقیدہ اس میں ایسا راسخ ہوگیا ہو، کہ ایمان کی کیفیت پیدا ہوجائے اور کردار میں صالحیت آجائے۔ بالفاظ دیگر وہ دل جو ہر قسم کے باطنی امراض اور معصیتوں کی آلودگی سے پاک ہو اور جس کا تقویٰ اس کی صحت کا باعث بنے اور عملی زندگی کو سنوارے۔

۸۱۔ یعنی قیامت کے دن جنت متقیوں کے استقبال کے لئے موجود ہوگی۔ میدانِ حشر سے جنت میں پہنچنے کے لئے کچھ دیر نہیں لگے گی۔ ادھر فیصلہ ہوا ادھر جنت میں پہنچ گئے۔

۸۲۔ جہنم آج نظروں سے اوجھل ہے۔ لیکن قیامت کے دن گمراہ لوگ میدانِ حشر میں اس کو اپنے سامنے بالکل کھلا پائیں گے۔

۸۳۔ بت پرستوں کیساتھ ان کے بت بھی جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ اس وقت بتوں کی بے بسی ان کے پرستاروں پر بالکل عیاں ہوگی کہ یہ اپنے

بقیہ صفحہ ۱۲۵۶ / پر

فَمَا لَنَا مِنْ شٰفِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰ اب ہمارا کوئی سفارشی نہیں۔

وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱ اور نہ کوئی جگری دوست ہے۔ ۸۷؎

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲ اگر ہمیں ایک مرتبہ اور لوٹنے کا موقع مل جائے تو ہم مؤمن ہوں گے۔ ۸۸؎

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳ یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے ۸۹؎۔ مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔ ۹۰؎

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴ اور بے شک تمہارا رب غالب بھی ہے اور رحیم بھی۔ ۹۱؎

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵ نوح ۹۲؎ کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ ۹۳؎

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶ جب کہ ان کے بھائی، ۹۴؎ نوح نے ان سے کہا ڈرتے نہیں ہو؟ ۹۵؎

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷ میں تمہارے لئے ایک امانتدار رسول ہوں۔ ۹۶؎

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ۹۷؎

وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹ میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر رب العالمین کے ذمہ ہے۔ ۹۸؎

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ۹۹؎

قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱ انہوں نے کہا کیا ہم تمہیں مان لیں جب کہ تمہاری پیروی رذیل ترین لوگوں نے اختیار کی ہے۔ ۱۰۰؎

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲ اس نے کہا مجھے کیا معلوم وہ کیا کرتے رہے ہیں۔ ۱۰۱؎

اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے۔ کاش کہ تم سمجھو۔

وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴ اور میں ان لوگوں کو دھتکارنے والا نہیں جو ایمان لائے ہیں۔ ۱۰۲؎

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵ میں تو بس کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶ انہوں نے کہا اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کئے جاؤ گے۔ ۱۰۳؎

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷ اس نے دعا کی ۱۰۴؎۔ اے میرے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا۔

۸۷۔ گمراہوں کے جو جگری دوست دنیا میں رہے ہوں گے، ان سے دوستی کا کوئی رشتہ آخرت میں باقی نہیں رہے گا۔ اور کوئی نہ ہوگا جو ان کے ساتھ ہمدردی کرے یا ان کا غمگسار بن جائے۔

۸۸۔ دنیا میں لوٹنے کی وہ تمنا کریں گے تاکہ مؤمن بن جائیں، لیکن ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکے گی۔ مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انعام، نوٹ ۴۶۔ تا ۴۸۔۔

۸۹۔ یعنی حضرت ابراہیم کا جو واقعہ اوپر بیان ہوا اس میں اس بات کی صریح نشانی موجود ہے کہ بت پرستی اور شرک سراسر باطل ہے۔ اور توحید ہی حق ہے۔ لہٰذا قرآن کا پیغمبر جو دعوت پیش کر رہا ہے وہ سرتاسر دعوتِ حق ہے اور دعوتِ ابراہیمی سے کچھ بھی مختلف نہیں۔

۹۰۔ تشریح کے لئے دیکھئے نوٹ ۸۔۔

۹۱۔ تشریح کے لئے دیکھئے نوٹ ۹۔۔

۹۲۔ حضرت نوح کی سرگذشت تفصیل کے ساتھ سورۂ اعراف، سورۂ ہود اور سورۂ مؤمنون میں گذر چکی۔

۹۳۔ حضرت نوح کو جھٹلانا تمام رسولوں کو جھٹلانے کے ہم معنیٰ تھا۔ کیوں کہ سب کا دین ایک ہی رہا ہے اور سب کی دعوت بھی ایک۔

۹۴۔ حضرت نوح کو ان کی قوم کا بھائی اس بنا پر کہا گیا ہے کہ وہ اس سوسائٹی کے فرد تھے۔ اس لئے نہ زبان کی کوئی مغائرت تھی اور نہ لوگوں کے لئے ان کو پہچاننا مشکل تھا۔

۹۵۔ مراد اللہ سے ڈرنا ہے۔

۹۶۔ یعنی اللہ نے پیغام پہنچانے کی جو امانت میرے سپرد کی ہے اس کو میں پوری ذمہ داری کے ساتھ ادا کرنے والا ہوں۔ اپنی طرف سے اس میں نہ میں کمی کرونگا اور نہ بیشی۔ اس لئے جو کچھ میں خدا کی طرف سے پیش کر رہا ہوں اس کو امانت سمجھ کر قبول کرو۔

۹۷۔ یہی بات جیسا کہ آگے بیان ہوا ہے ہر رسول نے اپنی قوم سے کہی تھی۔ اس لئے یہ فقرہ انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ دعوت کا ترجمان ہے۔ اس سے دعوت کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ اللہ کا ڈر جو اس کی عظمت کے تصور سے پیدا ہوتا ہے، دین کے لئے بمنزلۂ اساس کے ہے۔ اس لئے کھلے الفاظ میں اللہ سے ڈرنے اور اس کا تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دینا چاہئے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب تک انسان کو اس کے غلط طرزِ عمل پر متنبہ نہیں کیا جاتا اور پیش آنے والے خطرات سے آگاہ نہیں کیا جاتا وہ اصلاح کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک رسول جب دعوت کو لے کر اٹھتا ہے، تو وہ خدا سے غافل لوگوں کو چونکاتا ہے، اس کے عذاب سے ڈراتا ہے اور ان تمام خطرات سے آگاہ کرتا ہے، جو آخرت میں پیش آنے والے ہیں۔ انذار (خبردار کرنے) کا یہ رنگ اس کی دعوت پر غالب ہوتا ہے۔

۲۔ ''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو'' کی دعوت میں اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت دونوں کا مطالبہ شامل ہے۔ کیوں کہ تقویٰ کے معنیٰ اللہ سے ڈر کر اس کے گناہ سے بچنے اور پرہیزگاری اختیار کرنے کے ہیں۔ جو شخص اللہ کی عبادت یکسو ہو کر نہیں کرتا وہ خدا سے بے خوف یعنی تقویٰ کی صفت سے بالکل عاری ہوتا ہے۔ اور جو شخص اس کی اطاعت نہیں کرتا وہ گناہ پر گناہ کئے چلا جاتا ہے۔ اس لئے وہ تقویٰ سے محروم ہے اور اس کا شمار متقیوں میں نہیں ہو سکتا۔

آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت اللہ کی عبادت اور اطاعت دونوں کی طرف ہوتی ہے۔ قرآن میں اگر ان کی دعوت کو **اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ** (اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی خدا نہیں) کے الفاظ میں پیش کر دیا گیا ہے، تو دوسرے مقام پر ان کی دعوت کے اس پہلو کو بھی نمایاں کیا گیا ہے کہ **اِتَّقُوْا اللّٰهَ** (اللہ سے ڈرو)۔ سورۂ نوح میں تو حضرت نوح کی دعوت کے دونوں پہلو نیز رسول کی اطاعت کا پہلو بھی سب ایک ساتھ پیش کر دیئے گئے ہیں۔ **اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ** (اللہ کی عبادت کرو، اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو)۔

۳۔اللہ کی عبادت واطاعت کے ساتھ وقت کا رسول اپنی اطاعت کا بھی مطالبہ کرتا رہا ہے ''وَاَطِیْعُوْنِ'' (اور میری اطاعت کرو) یہ اس لئے بھی کہ رسول اسی لئے بھیجا جاتا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے، اور اس لئے بھی کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت کی عملی شکل ہے۔ اللہ کا حکم اگر منصوص وحی کی شکل میں ہو تب بھی اس کو عملی جامہ پہنانے کیلئے جن تفصیلات کی ضرورت ہوتی ہے، ان کو ایک رسول ہی اپنے قول وعمل سے واضح کر دیتا ہے۔ اس لئے یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ رسول کی حیثیت محض پیغام پہنچا دینے والے کی ہے۔ بلکہ وہ عملی رہنمائی کا ذمہ دار بھی ہے اور لوگوں پر اس کی اتباع اور اطاعت واجب ہے۔

یہ ہیں انبیائی دعوت کی خصوصیات، مگر موجودہ زمانہ میں جو اسلامی تحریکیں اٹھی ہیں وہ خدا کا خوف پیدا کرنے کا سامان اتنا نہیں کرتیں جتنا کہ اسلام کے سیاسی واجتماعی نظام کی تشریح وتوضیح کا سامان کرتی ہیں۔ وہ لوگوں میں نجات اخروی کی فکر پیدا کرنے سے زیادہ دنیا میں صالح معاشرہ کے قیام کی فکر پیدا کرتی ہیں۔ وہ غیر اللہ کی پرستش پر لوگوں کو جہنم کی وعید سنانے کا اہتمام تو بہت کم کرتی ہیں، مگر انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلانے کا نعرہ پورے زور سے لگاتی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ دعوت دوسرے رخ پر جا پڑتی ہے اور اس کی اسپرٹ بھی متاثر ہو جاتی ہے۔

۹۸۔ ایک نبی کی زندگی اس کے مخلص اور بے لوث ہونے کا واضح ثبوت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا یہ دعویٰ کہ، میرے پیش نظر تمہاری بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اور میں صرف اللہ ہی سے اجر کا امیدوار ہوں، اپنی دلیل آپ ہوتا ہے۔

۹۹۔ حضرت نوح نے اپنی یہ دعوت پھر دہرائی، یہ واضح کرنے کے لئے کہ میرا مطالبہ تم سے مال کا نہیں بلکہ دعوت کے قبول کرنے کا ہے۔ اور میں یہ خدمت بے لوث ہو کر انجام دے رہا ہوں، جس میں تمہارے لئے شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۱۰۰۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ہود، نوٹ ۴۱۔

۱۰۱۔ یعنی میں ان کے ظاہری عمل کو جانتا ہوں اور اس لحاظ سے کہ وہ اللہ کے مؤمن بندے ہیں۔ رہے ان کے پوشیدہ اعمال تو اللہ ہی کو اس کا علم ہے۔ غیب کی باتیں مجھے کیا معلوم۔ پھر میں کس بنیاد پر انہیں رذیل قرار دوں، جب کہ میرے علم میں کوئی ایسی بات نہیں جو انہیں رذیل ٹھہراتی ہو۔

حضرت نوح کے جواب سے واضح ہوا کہ ان کے ساتھیوں پر رذیل (غیر شریف) ہونے کا الزام سراسر جھوٹ تھا۔

۱۰۲۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ہود، نوٹ ۴۴۔

۱۰۳۔ قوم کی جسارت دیکھئے کہ جو شخصیت ان کے درمیان سب سے زیادہ قدر کی مستحق تھی، اور جس نے ان کی خیر خواہی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی، اس کی تواضح وہ پتھر سے کرنا چاہتے تھے۔ جن لوگوں کی عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں وہ ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔

۱۰۴۔ یہ دعا حضرت نوح نے اس وقت کی جب کہ طویل دعوتی جدوجہد کے بعد، ان کو اپنی قوم کے ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔

❑❑❑❑❑❑

بقیہ صفحہ ۱۲۵۳ سے آگے

پرستاروں کی مدد کیا کر سکتے ہیں، خود اپنے کو بھی نہیں بچا سکتے۔ اور یہی حشر فرعون جیسے سرکش لیڈروں کا بھی ہوگا جو دنیا میں معبود بن بیٹھے تھے۔ وہ بھی اپنے پرستاروں کی مدد کیا کریں گے اپنے ہی کو جہنم سے بچا نہیں سکیں گے۔

۸۴۔ مراد شیاطین ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے رہے۔

۸۵۔ وہ خدا کی قسم کھا کر اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے۔ گویا انہیں اپنی گمراہی کا یقین اس وقت آ گیا جب وہ اپنے انجام کو پہنچ گئے۔

۸۶۔ مراد گمراہ پیشوا، حکمراں اور لیڈر ہیں۔

میں اس پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ تم ہر اونچے مقام پر فضول یادگار تعمیر کرتے ہو؟ اور بڑے بڑے محل بناتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ (یہیں) رہنا ہے۔ اور جب تم (کسی کو) گرفت میں لیتے ہو تو جبار بن کر گرفت میں لیتے ہو۔ تو اللہ سے ڈرو۔ اور میری اطاعت کرو۔ (القرآن)

فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸ اب تو میرے اور ان کے درمیان واضح فیصلہ کر دے۔ ۱۰۵؎ اور مجھے اور جو اہل ایمان میرے ساتھ ہیں ان کو نجات دے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾

۱۱۹ بالآخر ہم نے اس کو اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے بھری ہوئی کشتی میں نجات دی۔ ۱۰۶؎

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰ اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ ۱۰۷؎

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾

۱۲۱ یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے ۱۰۸؎ مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲ اور تمہارا رب غالب بھی ہے اور رحیم بھی۔

كَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

۱۲۳ عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔ ۱۰۹؎

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

۱۲۴ جب کہ ان کے بھائی ہود نے ان سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟

اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾

۱۲۵ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾

۱۲۶ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ۱۱۰؎

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷ میں اس پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸ یہ کیا بات ہے کہ تم ہر اونچے مقام پر فضول یادگار تعمیر کرتے ہو؟ ۱۱۱؎

وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

۱۲۹ اور بڑے بڑے محل بناتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ (یہیں) رہنا ہے۔ ۱۱۲؎

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

۱۳۰ اور جب تم (کسی کو) گرفت میں لیتے ہو تو جبار بن کر گرفت میں لیتے ہو۔ ۱۱۳؎

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱ تو اللہ سے ڈرو ۱۱۴؎ اور میری اطاعت کرو۔

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲ ڈرو اس سے جس نے تمہاری مدد کی ان چیزوں سے جن کو تم (اچھی طرح) جانتے ہو۔

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳ اس نے تمہاری مدد کی چوپایوں اور اولاد سے۔

وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۴ اور باغوں اور چشموں سے۔ ۱۱۵؎

اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵ مجھے اندیشہ ہے تم پر ایک ایسے دن کے عذاب کا جو بڑا سخت ہوگا۔ ۱۱۶؎

۱۰۵؎ مراد دو ٹوک فیصلہ ہے جو کافروں کے لئے عذاب، اور مؤمنوں کیلئے نجات کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

۱۰۶؎ یعنی ایسی کشتی جو ایمان لانے والوں سے اور کام آنے والے جانوروں سے بھری ہوئی تھی۔

۱۰۷؎ قومِ نوح کے غرق ہونے کا قصہ سورۂ ہود آیت ۳۷ تا ۴۴ میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

۱۰۸؎ نشانی اس بات کی کہ رسول کی مخالفت کرنے والی قوم پر اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے۔ وہ اس طرح تباہ کر دی جاتی ہے کہ اس کا ایک فرد بھی ہلاکت سے نہیں بچتا۔ جب کہ رسول اور اس کے وہ تمام ساتھی جو اس پر ایمان لا چکے ہوتے ہیں، اس طرح بچا لئے جاتے ہیں کہ ان میں سے ایک فرد بھی عذاب کی زد میں نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کرشمہ کا ظہور تاریخ کی واضح شہادت ہے۔

مگر تعجب ہے کہ تاریخ کی ان واضح شہادتوں کو جن کی نشاندہی قرآن کرتا ہے، تاریخ کی موجودہ کتابوں میں ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ کیوں کہ مورخین نے اپنی مخصوص ذہنیت کے تحت ان سے بے اعتنائی برتی ہے۔ اور ہمارے ملک کے کالجوں میں دنیا کی جو تاریخ پڑھائی جاتی ہے، اس میں قوموں کے عروج و زوال کا یہ اہم ترین پہلو سرے سے زیرِ بحث لایا ہی نہیں گیا ہے۔ کیسے عجیب ہیں یہ مورخ اور کیسی عجیب ہیں ان کی یہ کتابیں!

۱۰۹؎ عاد کا قصہ سورۂ اعراف آیت ۶۵ تا ۷۲، سورۂ ہود آیت ۵۰ تا ۶۰ میں تفصیل سے بیان ہوا ہے اس کے تشریحی نوٹ، نیز سورۂ فجر کے تشریحی نوٹ ۸؎ تا ۱۱؎ بھی پیشِ نظر رہیں۔

۱۱۰؎ اس کی تشریح اوپر نوٹ ۹۷؎ میں گزر چکی۔

۱۱۱؎ وہ ٹیلوں اور پہاڑیوں پر ایسی عمارتیں تعمیر کرتے تھے، جو کسی جائز تمدنی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ ان کا مقصد قومی یادگاروں کو قائم کرنا تھا، تاکہ ان پر فخر کیا جا سکے۔ دنیا پرست ایسی عمارتوں کو دیکھ کر بنانے والے کے فنِ تعمیر کی داد دیتے ہیں۔ مگر اسلام کی نظر میں یہ سب فضول کام ہیں۔ کیوں کہ اپنی قوتوں اور وسائل کو نمائشی کاموں میں لگانے سے آدمی اپنے مقصدِ حیات سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور آخرت کے بجائے دنیا ہی کو منزلِ مقصود سمجھنے لگتا ہے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اسلام تمدنی زندگی کیلئے بھی ہدایت دیتا ہے۔ اور لوگوں کو من مانی کرنے کی آزادی نہیں دیتا۔ قرآن کی اس گرفت کے باوجود جو اس نے فضول یادگاریں قائم کرنے پر کی ہے، مسلمان حکمراں اپنی یادگاریں قائم کرنے کا شوق پورا کرتے رہے۔ جس کی مثالیں دہلی کا قطب مینار اور آگرہ کا تاج محل ہے مسلمان ان یادگاروں کو اپنا قومی اثاثہ سمجھتے ہیں، ان پر فخر کرتے ہیں، جبکہ اسلام کے نقطۂ نظر سے یہ ایک فضول اور مسرفانہ کام تھا جو قابلِ فخر نہیں بلکہ قابلِ افسوس ہے۔ اور اس سے زیادہ قابلِ اعتراض وہ شاندار درگاہیں اور روضے ہیں جو بزرگوں کی عقیدت میں تعمیر کئے گئے ہیں اور شرک اور گمراہی کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔

۱۱۲؎ جو لوگ دنیا کو امتحان گاہ نہیں بلکہ عشرت کدہ سمجھتے ہیں، ان کے ہاتھ میں جب دولت آجاتی ہے، تو وہ شاندار محل تعمیر کر کے دادِ عیش دینے لگتے ہیں۔ جس کا ایک نمونہ قدیم ترین زمانہ میں قوم عاد تھی۔ قرآن کی اس سخت تنبیہ کے باوجود مسلمان حکمرانوں نے بھی اپنی شان و شوکت کے اظہار کے لئے بڑے بڑے اور شاندار محل تعمیر کئے۔ غرناطہ اسپین کا الحمراء اور جنۃ العریف اور دہلی کے لال قلعہ کا دیوان خاص اس کی عبرت ناک مثالیں ہیں۔ جواہرات سے مرصع دیوانِ خاص پر تو اس کو جنت کا نمونہ بنانے کا دعویٰ بھی کندہ ہے۔ ؎ اگر فردوس بر روئے زمیں است ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

مگر اب مکاں رہ گیا مکیں نہ رہے۔

۱۱۳؎ یعنی تمہاری پکڑ بہت ظالمانہ ہوتی ہے۔ سوسائٹی کا مالدار طبقہ غریب طبقہ کو بری طرح ظلم کے شکنجہ میں لے لیتا ہے۔ آیت کا اشارہ غالباً اسی صورتِ حال کی طرف ہے۔

۱۱۴؎ یعنی اللہ سے ڈرو اور یہ غلط کام نہ کرو۔ بقیہ صفحہ ۱۲۶۱ پر

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۶ انہوں نے کہا ہمارے لئے یکساں ہے تم نصیحت کرو یا نہ کرو۔ ۱۱۷؎

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۷ یہ بات تو اگلوں سے چلی آ رہی ہے۔ ۱۱۸؎

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

۱۳۸ اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

۱۳۹ غرضیکہ انہوں نے اس کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ۱۱۹؎۔ یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے ۱۲۰؎۔ مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾

۱۴۰ اور بے شک تمہارا رب غالب بھی ہے اور رحیم بھی۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

۱۴۱ ثمود، نے رسولوں کو جھٹلایا۔ ۱۲۱؎

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾

۱۴۲ جب ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾

۱۴۳ میں تمہارے لئے ایک امانتدار رسول ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾

۱۴۴ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ۱۲۲؎

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

۱۴۵ میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

۱۴۶ کیا تم ان (نعمتوں) میں یہاں چین کی حالت میں چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ ۱۲۳؎

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾

۱۴۷ باغوں اور چشموں میں۔

وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾

۱۴۸ کھیتوں اور کھجور کے باغوں میں جن کے شگوفے بڑے لطیف ہوتے ہیں۔ ۱۲۴؎

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

۱۴۹ اور پہاڑوں کو تراش کر تم عمارتیں بناتے رہو گے تاکہ اپنے کمالِ فن پر فخر کرو۔ ۱۲۵؎

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾

۱۵۰ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

۱۵۱ اور حد سے گذرنے والوں کی اطاعت نہ کرو۔ ۱۲۶؎

الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

۱۵۲ جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ ۱۲۷؎

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

۱۵۳ انہوں نے کہا تم پر جادو کا اثر ہوا ہے۔ ۱۲۸؎

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾

۱۵۴ اور تم ہمارے ہی جیسے بشر ہو ۱۲۹؎۔ اگر (اپنے دعوئے رسالت میں) سچے ہو تو لاؤ کوئی نشانی۔

۱۱۷؎ ان کے اس جواب سے واضح ہے کہ وہ نصیحت کی کوئی بات سمجھنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

۱۱۸؎ یعنی نصیحت کرنا اور وعیدیں سنانا گذرے ہوئے لوگوں کا بھی طریقہ رہا ہے، مگر اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں اور نہ کسی پر عذاب آتا ہے۔

۱۱۹؎ عاد کی ہلاکت کی تفصیل سورۂ ذاریات، آیت ۴۱ اور سورۂ حاقہ، آیت ۶ میں بیان ہوئی ہے۔

۱۲۰؎ تشریح کے لئے دیکھئے نوٹ ۱۰۸؎

۱۲۱؎ ثمود کی سرگذشت سورۂ اعراف آیت ۷۳ تا ۷۹، سورۂ ہود آیت ۶۱ تا ۶۸ اور سورۂ حجر نوٹ ۸۰؎ تا ۸۴؎ میں گذر چکی۔ ان کے تشریحی نوٹ پیشِ نظر رہیں نیز سورۂ فجر نوٹ ۱۲؎ تا ۱۴؎ اور سورۂ شمس نوٹ ۱۱؎ تا ۱۷؎ بھی۔

۱۲۲؎ اس کی تشریح اس سورہ کے نوٹ ۹۷؎ میں گزر چکی۔

۱۲۳؎ یعنی کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جو نعمتیں تمہیں عطا ہوئی ہیں وہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی۔ نہ یہ نعمتیں کبھی تم سے چھین لی جائیں گی اور نہ ان کے بارے میں تم سے کبھی باز پُرس ہوگی کہ تم نے ان کو کس طرح استعمال کیا۔ اور ان نعمتوں کو پا کر اپنے محسنِ حقیقی کا شکر ادا کرتے رہے یا ناشکری کی؟

۱۲۴؎ معلوم ہوا کہ جس علاقہ میں ثمود آباد تھے، وہاں اللہ تعالیٰ نے سرسبز باغ، کھیتیاں اور نخلستان (کھجور کے باغ) پیدا کر دیئے تھے۔ اور عرب کے ریگستانی علاقہ میں یہ سرسبزی و شادابی بہت بڑی نعمت تھی۔

۱۲۵؎ متن میں لفظ ''**فارهين**'' استعمال ہوا ہے، جس کے معنی فنی کمال کا ثبوت دینے کے بھی ہیں اور فخر کرنے اور اترانے کے بھی۔ پہاڑیوں کو تراش کر مکان بنالینا اپنی واقعی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے نہیں، بلکہ اپنے فنِ تعمیر کا مظاہرہ کے لئے تھا۔ اور اس لئے بھی تھا کہ وہ اپنے پیچھے قومی یادگاریں چھوڑیں، تاکہ آنے والی نسلیں ان کے کمال فن کی داد دیں۔ ایلورا اور اجنتا کے تراشے ہوئے غار جو مشرکین ہند کے لئے سرمایۂ فخر ہیں ثمودی طرزِ تمدن کا نمونہ پیش کرتے ہیں، ان کا آرٹ بت پرستی اور بے حیائی دونوں کو فروغ دینے والا ہے۔ مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۲۰؎ اور سورۂ حجر نوٹ ۸۲؎۔

۱۲۶؎ حد سے گذرنے والے (مسرفین) سے مراد وہ لوگ ہیں، جو حدودِ بندگی، حدودِ اخلاق اور حدودِ انسانیت سب سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ وہ اپنے کو ان سب قیود سے آزاد اور خود مختار سمجھتے ہیں۔

۱۲۷؎ ایسے لوگ سوسائٹی کے لئے ناسور ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اصلاح کا کام کیا کریں گے، بلکہ ہر طرح کی خرابی اور فساد ہی کا سبب بنتے ہیں۔ مگر لوگ ان لیڈروں کے اصلاحی کاموں کے دعوے سے متاثر ہو کر ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔

۱۲۸؎ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جادو ذہنی قویٰ کو متاثر کر کے اسے پاگل اور خبطی بنا دیتا ہے۔ حضرت صالح کی بات کا کوئی معقول جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ اس لئے انہوں نے ان پر یہ الٹا الزام لگایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے تم پر جادو کیا ہے، اس کے زیر اثر تم یہ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔

واضح رہے کہ جادو اور ٹونے ٹوٹکے میں ہرگز یہ اثر نہیں ہے کہ وہ کسی کو پاگل بنا دے۔ یہ محض وہم ہے جو آج بھی لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ اگر اس میں یہ اثر ہوتا تو جادوگر، بادشاہوں اور حکمرانوں کو پاگل بنا کر ان کی سلطنت کا خاتمہ کر سکتے تھے مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ہٹلر کی ظالمانہ کارروائیوں سے دنیا پریشان آ گئی تھی لیکن دنیا کا کوئی جادوگر ایسا نہیں ہوا جو اُسے جادو کے زیر اثر پاگل بنا دیتا اور دنیا کو اس سے نجات مل جاتی۔

۱۲۹؎ یعنی نہ تم پر آسمان سے وحی آتی ہے اور نہ رسالت کا منصب تم کو حاصل ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۲۵۹ سے آگے

۱۱۵؎ یعنی جو قدرتی نعمتیں تم کو عطا ہوئی ہیں، ان سے فائدہ اٹھاؤ اور تعیّشات میں نہ پڑو۔ جس نے یہ نعمتیں تمہیں عطا کی ہیں وہ ان کو چھین بھی سکتا ہے۔ لہٰذا اس سے ڈرو۔

۱۱۶؎ سخت دن ایک تو وہ ہوگا جب ان پر دنیا ہی میں اللہ کا عذاب نازل ہوگا اور دوسرا قیامت کا دن۔ دن کا سخت ہونا عذاب کے سخت ہونے کی تعبیر ہے۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾

۱۵۵ اس نے کہا یہ اونٹنی ہے ۱۳۰؎۔ ایک دن پانی پینے کی باری اس کی ہے اور ایک مقررہ دن پانی کی باری تمہارے لئے ہے۔ ۱۳۱؎

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾

۱۵۶ اس کو تکلیف نہ پہنچاؤ ورنہ ایک سخت دن کا عذاب تمہیں آلے گا۔

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾

۱۵۷ مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں ۱۳۲؎۔ اور پھر پچھتاتے رہ گئے ۔ ۱۳۳؎

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾

۱۵۸ آخر کار انہیں عذاب نے آلیا ۱۳۴؎۔ یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے ۱۳۵؎۔ مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

۱۵۹ اور بے شک تمہارا رب غالب بھی ہے اور رحیم بھی۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

۱۶۰ لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا ۔ ۱۳۶؎

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

۱۶۱ جب ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟

اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾

۱۶۲ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾

۱۶۳ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾

۱۶۴ میں اس پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا ۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾

۱۶۵ کیا دنیا کے لوگوں میں تم ایسے ہو کہ شہوت پوری کرنے کے لئے لڑکوں کے پاس جاتے ہو؟ ۱۳۷؎

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

۱۶۶ اور تمہارے رب نے تمہارے لئے جو بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے گذر جانے والے لوگ ہو۔ ۱۳۸؎

قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾

۱۶۷ انہوں نے کہا ۱۳۹؎۔ اے لوط ! اگر تم باز نہ آئے تو لازماً تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ ۱۴۰؎

قَالَ اِنِّىْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

۱۶۸ اس نے کہا میں تمہارے عمل سے سخت بیزار ہوں۔ ۱۴۱؎

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

۱۶۹ اے رب ! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے عمل سے نجات دے۔ ۱۴۲؎

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

۱۷۰ تو ہم نے اس کو اور اس کے سارے گھر والوں کو نجات دی۔ ۱۴۳؎

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

۱۷۱ سوائے ایک بڑھیا کہ جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔ ۱۴۴؎

۱۳۰؎ یہ اونٹنی کوئی عام اونٹنی نہیں تھی، بلکہ ایک غیر معمولی اونٹنی تھی، جس کا ظہور معجزہ کے طور پر ہوا تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ ثمود نے اپنے پیغمبر سے نشانی یعنی حسی معجزہ طلب کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ مطالبہ اونٹنی کی شکل میں پورا کیا تھا، تاکہ حضرت صالح کے رسول ہونے کا واضح ثبوت ہو۔

مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف، نوٹ ۱۱۹؎۔

۱۳۱؎ اونٹنی کے پانی پینے کے لئے ایک دن کی باری مقرر کرنا اونٹنی کے غیر معمولی ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اگر معمولی اونٹنی ہوتی تو اس کے لئے اس وافر مقدار میں پانی کی ضرورت نہ ہوتی کہ اس کے پینے کیلئے پورا دن مخصوص کر دیا جاتا۔

ثمود کے مطالبہ پر جب اللہ تعالیٰ نے معجزہ ظاہر کر دیا تو اس میں ان کی آزمائش کا سامان رکھ دیا۔ وہ یہ کہ کنوؤں اور چشموں سے پانی لینے کی باری مقرر کر دی۔ ایک دن تمام کنوئیں اور چشمے اللہ کی اونٹنی کے پانی پینے کے لئے خاص ہوگا۔ اور دوسرے دن لوگ اپنے لئے پانی لے سکیں گے اور اپنے جانوروں کو بھی پلا سکیں گے۔ یہ سخت امتحان تھا اور اللہ جس طرح چاہتا ہے اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے۔

۱۳۲؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۱۹؎۔

۱۳۳؎ یہ ندامت احساسِ گناہ کے نتیجہ میں نہیں تھی، ورنہ وہ اللہ کے حضور توبہ کرتے، بلکہ یہ عذاب کے اندیشہ سے تھی۔ اگرچہ وہ عذاب کا انکار کر رہے تھے مگر اونٹنی کو قتل کرنے کے بعد اُن کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوا ہوگا کہ، اگر حضرت صالح کی بات صحیح ہوئی تو ہم پر آفت آسکتی ہے۔ اس خدشہ کی وجہ سے وہ اپنے کئے پر پچھتانے لگے۔

۱۳۴؎ ثمود پر جس قسم کا عذاب آیا اس کی تفصیل سورۂ اعراف آیت ۷۸ میں بیان ہوئی ہے۔

۱۳۵؎ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو اس سورہ کا نوٹ ۱۰۸؎۔

۱۳۶؎ حضرت لوط کی سرگذشت سورۂ اعراف، آیت ۸۰ تا ۸۴، سورۂ ہود آیت ۷۷ تا ۸۳ اور سورۂ حجر آیت ۵۸ تا ۷۷ میں گذر چکی۔ تشریح کے لئے ان کے نوٹ دیکھ لئے جائیں۔

۱۳۷؎ حضرت لوط کی دعوت بھی وہی تھی جو تمام رسولوں کی رہی ہے۔ یعنی ''اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔'' لیکن خصوصیت کے ساتھ انہوں نے ایک ایسی برائی پر انہیں تنبیہ کی جو اخلاقی لحاظ سے بڑی گھناؤنی تھی، جس میں سوسائٹی بری طرح مبتلا تھی۔ یعنی امرد پرستی (مردوں کا لڑکوں سے جنسی تعلق قائم کرنا)۔

اس سے دعوت و اصلاح کے سلسلے میں یہ اصولی بات بھی واضح ہوتی ہے، کہ انبیاء علیہم السلام جہاں توحید و آخرت کی دعوت کو ہر قسم کی فکری و عملی اصلاح کے لئے بنیاد کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں وہاں، ان بڑی بڑی برائیوں پر بھی سخت گرفت کرتے ہیں جن کا منکر ہونا خلافِ فطرت ہونے کی وجہ سے محتاج دلیل نہیں ہوتا۔ اور جو وبا کی طرح سوسائٹی میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ مردوں کا نوعمر لڑکوں سے شہوانی تعلق قائم کرنا ایک صریح منکر تھا۔ اس لئے حضرت لوط نے اپنی بنیادی دعوت کے ساتھ اس کی اصلاح کیلئے آواز اٹھائی اور اس پر قوم کو سخت جھنجھوڑا۔

۱۳۸؎ اللہ تعالیٰ نے عورتیں اس لئے پیدا کی ہیں کہ وہ مردوں کے لئے زوج (جوڑا) ہوں، مگر اندھی خواہشات انسان کو اندھا بنا دیتی ہیں۔ پھر وہ خلاف فطرت کام کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ بیویوں کو چھوڑ کر اغلام بازی جیسے گھناؤنے افعال میں وہی لوگ مبتلا ہوتے ہیں، جو فطری اور اخلاقی حدوں کی پابندی سے آزاد ہوتے ہیں۔

۱۳۹؎ یعنی تم جو نصیحت ہمیں کر رہے ہو اس سے اگر باز نہ آئے۔ مطلب یہ کہ بس کرو اپنی یہ نصیحت اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔

۱۴۰؎ یعنی تم کو زبردستی اس ملک سے باہر نکال دیا جائے گا۔ یہ مجرموں کی طرف سے چیلنج تھا جو حضرت لوط کو دیا گیا۔

۱۴۱؎ حضرت لوط نے مجرموں کے چیلنج کا جواب یہ دیا کہ جس بدعملی میں تم مبتلا ہو وہ سخت قابل نفرت ہے۔ اس لئے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس پر اظہارِ نفرت

نہ کروں۔اچھی طرح سن لو کہ میں اس سے بیزار ہوں۔

۱۴۲؎ یہ دعا حضرت لوط نے اس وقت کی جب کہ ان کی دعوتی اور اصلاحی جدوجہد کو قوم کسی طرح برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئی۔اور انہوں نے حضرت لوطؑ کے خلاف اقدام کرنے کی ٹھان لی۔

گندہ عمل کرنے والوں کی کثرت پورے ماحول کو گندہ بنا دیتی ہے۔ایسے ماحول میں کوئی نفاست پسند آدمی سانس لینا بھی پسند نہیں کرتا۔اس لئے جب اصلاح کی امیدیں ختم ہوگئیں،تو حضرت لوط نے اسی گندے ماحول سے نجات کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی۔

۱۴۳؎ معلوم ہوتا ہے حضرت لوط پر ایمان لانے والے ان کے خاندان ہی کے افراد تھے۔

۱۴۴؎ یہ حضرت لوط کی بیوی تھی جو ایمان نہیں لائی تھی۔

واضح رہے کہ اس زمانے میں مسلم معاشرہ کا کہیں وجود نہیں تھا سوائے چند افراد کے۔اس لئے نکاح کے سلسلے میں شریعت کے احکام بھی نرم تھے۔ایک نبی جس قوم سے تعلق رکھتا تھا شادی بیاہ بھی اسی میں کرسکتا تھا۔اس لئے بعض انبیاء کو ایسی بیویوں سے سابقہ پڑا جو باوجود ان کی کوششوں کے ایمان نہیں لائیں۔

❑❑❑❑❑❑

وہ جگہ جہاں اللہ کی اونٹنی چلتی پھرتی تھی

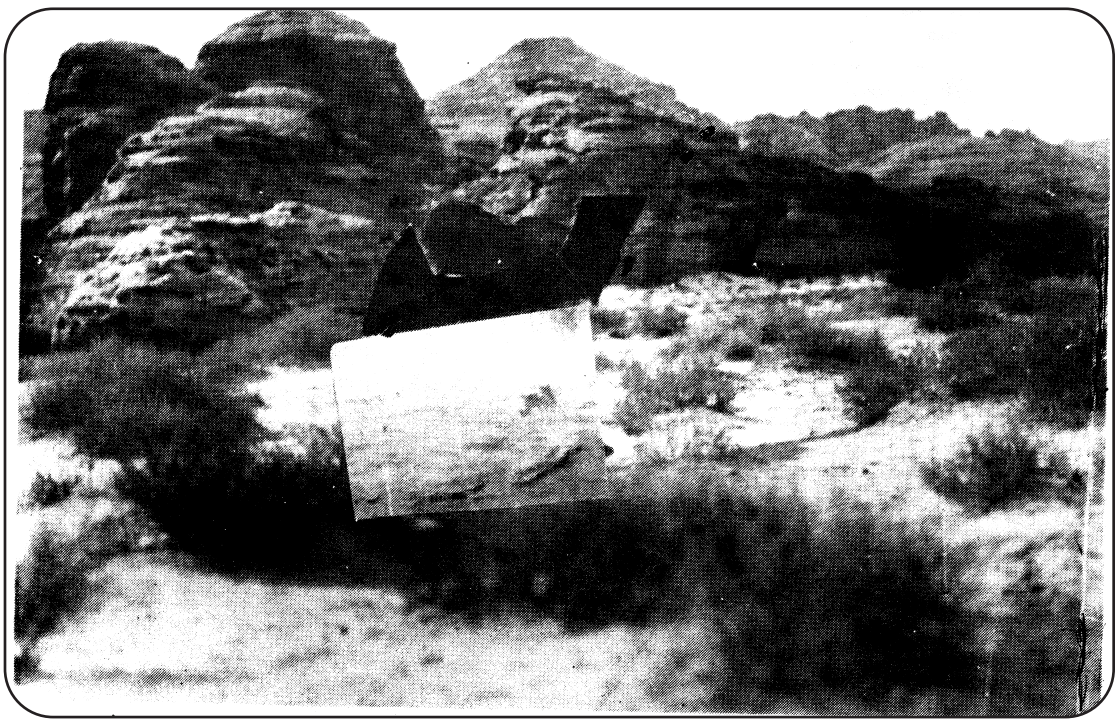

ثمود کی سنگ تراشی کا ایک نمونہ

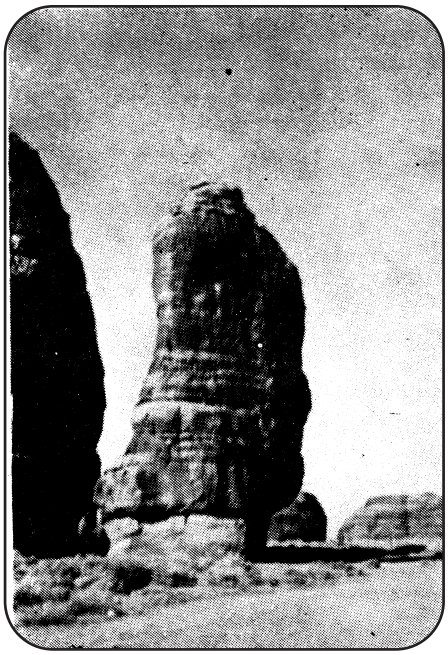

پہاڑوں میں تراشی ہوئی ثمودی عمارتیں

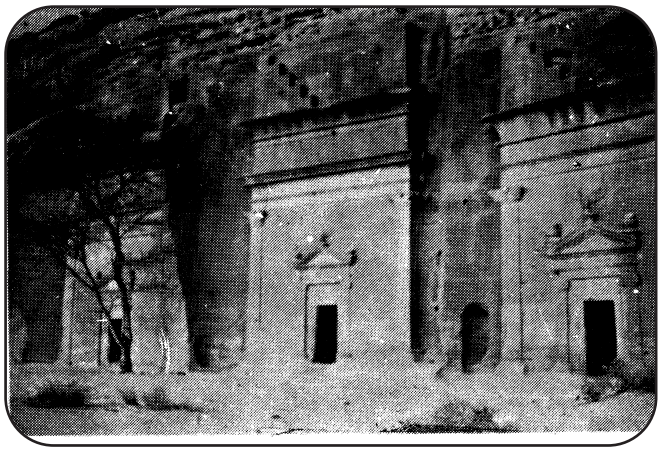

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾

۱۷۲ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔ ۱۴۵

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾

۱۷۳ اور ان پر ایک خاص قسم کی بارش برسائی ۱۴۶۔ تو کیا ہی بُری بارش تھی جو خبردار کئے جانے والوں پر برسائی گئی۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾

۱۷۴ یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے ۱۴۷۔ مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾

۱۷۵ اور بے شک تمہارا رب غالب بھی ہے اور رحیم بھی۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾

۱۷۶ اَیکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ ۱۴۸

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

۱۷۷ جب شعیب نے ان سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟

اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

۱۷۸ میں تمہارے لئے ایک امانتدار رسول ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾

۱۷۹ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾

۱۸۰ میں اس پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾

۱۸۱ ناپ پورا پورا بھرو اور خسارہ پہنچانے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ ۱۴۹

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾

۱۸۲ صحیح ترازو سے تولو۔ ۱۵۰

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

۱۸۳ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ ۱۵۱

وَاتَّقُوا الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾

۱۸۴ ڈرو اس سے جس نے تم کو بھی پیدا کیا اور گزری ہوئی خلقت کو بھی۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾

۱۸۵ انہوں نے کہا تم پر جادو کا اثر ہوا ہے۔

وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾

۱۸۶ اور تم بس ہمارے ہی جیسے بشر ہو اور ہم تو تمہیں بالکل جھوٹا سمجھتے ہیں۔

فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾

۱۸۷ اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔ ۱۵۲

قَالَ رَبِّىْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

۱۸۸ اس نے کہا میرا رب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ ۱۵۳

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾

۱۸۹ مگر انہوں نے اسے جھٹلایا۔ آخر کار ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا ۱۵۴۔ اور وہ ایک ہولناک دن کا عذاب تھا۔

۱۴۵؎ یعنی کفر کرنے والوں کو۔

۱۴۶؎ مراد پتھروں کی بارش ہے۔تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ ہود، نوٹ ۱۱۹؎ ۔

۱۴۷؎ اس کی تشریح اوپر نوٹ ۱۰۸؎ میں گزر چکی۔

۱۴۸؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ حجر،نوٹ ۷۷؎ ۔

۱۴۹؎ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۳۷؎ اور سورۂ مطففین، نوٹ ۱؎ ۔

۱۵۰؎ معلوم ہوا کہ ترازو کو درست رکھنا اور کاروبار میں دیانتداری برتنا، اخلاق کا تقاضا بھی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی شریعت کا ایک اہم جزء بھی۔ موجودہ زمانے میں وزن کرنے کیلئے مختلف قسم کے ترازو ایجاد ہو گئے ہیں جن میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ شکل الکٹرونک ترازو (Electronic Scale) کی ہے۔مگر ہر ترازو کا درست ہونا ضروری ہے تا کہ کم تولا نہ جائے۔

۱۵۱؎ یعنی دنیا میں بگاڑ پیدا نہ کرو۔فساد کے مفہوم میں ہر قسم کی ظلم وزیادتی شامل ہے۔

۱۵۲؎ یعنی اگر تم اپنی رسالت کے دعوے میں سچے ہو تو یہ معجزہ دکھاؤ کہ آسمان کا ٹکڑا ہم پر آ گرے۔

۱۵۳؎ یعنی تم پر اگر عذاب ابھی نہیں آ رہا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ اللہ تمہارے ان کرتوتوں سے بے خبر ہے۔وہ باخبر ہے اور ان کا نوٹس لے گا۔

۱۵۴؎ انہوں نے آسمان کا ٹکڑا گرا دینے کا مطالبہ کیا تھا۔اس لئے ان پر عذاب سائبان (بادل) کی شکل میں آیا۔سورۂ ہود میں قوم شعیب کے عذاب کو **صیحۃ** (ہولناک آواز) سے اور سورۂ اعراف میں رَجفہ (لرزا دینے والی آفت) سے تعبیر کیا گیا ہے۔معلوم ہوتا ہے پہلے بادلوں نے ان کو ڈھانک لیا اور وہ سمجھے کہ یہ سخت تپش میں ہمارے لئے چھتری (سائبان) بن گیا ہے۔لیکن اس میں سے شدید چنگھاڑ کے ساتھ ان پر بجلی گر گئی جس نے ان کو ایسا لرزا دیا کہ اوندھے منہ زمین پر گرے اور ہلاک ہو کر رہ گئے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٩٠﴾

۱۹۰ یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے ۱۵۵۔ مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾

۱۹۱ اور بیشک تمہارا رب غالب بھی ہے اور رحیم بھی۔

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾

۱۹۲ اور یہ (قرآن) یقیناً رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ ۱۵۶۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾

۱۹۳ اس کو لے کر روح الامین نازل ہوا ہے۔ ۱۵۷۔

عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾

۱۹۴ تمہارے قلب پر ۱۵۸۔ تاکہ تم (لوگوں کو) خبردار کرنے والے بنو۔ ۱۵۹۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾

۱۹۵ واضح عربی زبان میں ۱۶۰۔

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾

۱۹۶ اور یہ گزرے ہوئے لوگوں کے صحیفوں میں بھی موجود ہے۔ ۱۶۱۔

أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٩٧﴾

۱۹۷ کیا ان لوگوں کے لئے یہ نشانی نہیں ہے کہ اسے بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں۔ ۱۶۲۔

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿١٩٨﴾

۱۹۸ اور اگر ہم اسے کسی عجمی پر نازل کرتے۔ ۱۶۳۔

فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾

۱۹۹ اور وہ ان کو پڑھ کر سناتا تو یہ اس پر ایمان لانیوالے نہ تھے۔ ۱۶۴۔

كَذَٰلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٠٠﴾

۲۰۰ اس طرح ہم نے یہ بات مجرموں کے دلوں میں داخل کر دی ہے۔ ۱۶۵۔

لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٢٠١﴾

۲۰۱ وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ ۱۶۶۔

فَيَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٠٢﴾

۲۰۲ وہ ان پر اچانک آئے گا اور اس سے وہ بے خبر ہوں گے۔

فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾

۲۰۳ اس وقت وہ کہیں گے کیا ہمیں کچھ مہلت ملے گی۔

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾

۲۰۴ پھر کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں؟

أَفَرَأَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿٢٠٥﴾

۲۰۵ تم نے سوچا اگر ہم انہیں چند سال اور سامانِ زندگی دے دیں۔

ثُمَّ جَاءَهُم مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٢٠٦﴾

۲۰۶ پھر ان پر وہ (عذاب) آجائے جس سے اُن کو ڈرایا جا رہا ہے۔

مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ﴿٢٠٧﴾

۲۰۷ تو وہ سامانِ زندگی جس سے وہ فائدہ اٹھاتے رہے ان کے کس کام آئے گا۔ ۱۶۷۔

وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ﴿٢٠٨﴾

۲۰۸ اور ہم نے کسی آبادی کو بھی ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لئے خبردار کرنے والے رہے ہیں۔ ۱۶۸۔

۱۵۵۔ تشریح کے لئے دیکھئے اوپر نوٹ ۱۰۸۔

۱۵۶۔ انبیاء علیہم السلام کی سرگزشتیں سنانے کے بعد اب پھر سلسلۂ کلام قرآن اور اس کے پیغمبر کی طرف لوٹ آیا ہے۔

۱۵۷۔ روح الامین کے معنیٰ ہیں امانت دار روح۔ مراد حضرت جبرئیل ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ۔ (بقرہ۔۹۷)

''کہو جو جبرئیل کا دشمن ہو تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ جبرئیل نے اللہ کے اذن سے یہ (قرآن) تمہارے دل پر اتارا ہے''۔

اور واضح کرنا یہ مقصود ہے کہ نزولِ وحی کا ذریعہ مادی نہیں بلکہ روحانی ہے۔ پیغام لانے والا ایک فرشتہ ہے جس کی حقیقت روح ہے، جو نہایت لطیف شئے ہوتی ہے اور دکھائی نہیں دیتی۔ پھر یہ فرشتہ غایت درجہ امانت دار ہے جو پیغام اللہ تعالیٰ اس کے سپرد کرتا ہے، وہ اسے بے کم و کاست اس کے رسول تک پہنچا دیتا ہے۔

۱۵۸۔ قلب انسان کے اندر وہ مرکزی چیز اور اشرف مقام ہے، جو معنوی چیزوں کو قبول کرنے اور ان کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے ''تمہاری یاد میرے دل میں ہے'' اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ ''تمہاری یاد میرے دماغ میں ہے'' کیوں کہ دماغ محض آلہ ہے جب کہ دل محفوظ رکھنے کی جگہ۔ اور قلب سے مراد گوشت کا وہ لوتھڑا نہیں ہے جو جسم میں خون پھیلاتا ہے بلکہ وہ باطنی قوت ہے۔ جو اس جگہ ہوتی ہے۔ جس طرح ہم برقی رو کو دیکھ نہیں سکتے اسی طرح دل کا آپریشن کرنے پر بھی ہم نہ باطنی قوتوں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور نہ روح کا۔

پیغمبر کے قلبِ مصفّٰی پر وحی کے نزول کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل وحی کو براہ راست آپ کے دل پر اتارتے تھے، اس طور سے کہ آپ کے لوحِ دل پر اس کا ایک ایک لفظ مرتسم (نقش) ہو جاتا تھا۔ اس لئے اس میں بھول چوک کا سرے سے امکان ہی نہیں ہے۔

۱۵۹۔ یعنی فاسد عقائد و اعمال کے بُرے انجام سے۔

۱۶۰۔ یعنی یہ قرآن عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے اور ایسی عربی میں جو اپنے مفہوم اور مدعا کو بخوبی واضح کرنے والی ہے۔

قرآن کے اس بیان سے واضح ہوا کہ قرآن وہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوا ہے۔ اور جو عربی زبان میں مصحف کی شکل میں محفوظ ہے۔ رہے اس کے ترجمے تو وہ اس کے معنیٰ و مفہوم کو ادا کرنے کی انسانی کوشش ہے۔ اس لئے کسی بھی ترجمہ کو خواہ وہ عربی میں ہی کیوں نہ کیا گیا ہو نہ قرآن کہا جا سکتا ہے اور نہ کلام الٰہی بلکہ قرآن کا ترجمہ اور معانی ہی کہا جا سکتا ہے۔ لہٰذا تلاوت اور نماز میں قرآن کے لئے ترجموں سے کام نہیں چل سکتا۔ بلکہ لفظاً لفظاً وہی قرآن پڑھنا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ نے بہ زبانِ عربی اتارا ہے۔

۱۶۱۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن ان ہی الفاظ میں لکھا ہوا اگلے صحیفوں میں موجود تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم اور ہدایت وہی ہے جو سابقہ کتب آسمانی کی رہی ہے۔ اس لئے وہ اپنی اصل کے اعتبار سے ان کتابوں میں موجود رہا ہے، نیز ان میں ایسی پیشین گوئیاں بھی موجود ہیں جو اس پیغمبر کی بعثت اور اس پر کلامِ الٰہی کے نزول پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۶۲۔ یعنی بنی اسرائیل کے علماء اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ قرآن توحید کی جو دعوت پیش کر رہا ہے، وہی دعوت تورات اور دوسری آسمانی کتب کی رہی ہے۔ بت پرستی جس کو قریش نے جائز ٹھہرا لیا ہے تمام سابقہ کتب اس کے مشرک اور باطل ہونے پر متفق ہیں۔ قرآن کہتا ہے انسان کو قیامت کے دن دوبارہ اٹھایا جائے گا تاکہ ہر شخص اپنے عمل کا بدلہ پائے۔ مشرکین مکہ اس کو ناممکن خیال کرتے ہیں۔ لیکن بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں کہ ان کی کتابوں میں آخرت کا یہی تصور پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح وہ اس بات سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت کیلئے انسانوں ہی میں سے رسول بھیجتا رہا ہے۔ اور ان پر وحی اور کتاب نازل فرماتا رہا ہے۔ اگر بنی اسرائیل کے علماء جو تورات کے حامل ہیں۔ اگر ان میں سے کسی بات سے بھی انکار نہیں کر سکتے تو کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں

ہے کہ قرآن کوئی نئی دعوت نہیں پیش کر رہا ہے، بلکہ یہ انبیائی دعوت ہی کی تجدید ہے۔

۱۶۳؎ یعنی غیر عرب پر۔

۱۶۴؎ یعنی اگر کسی غیر عرب پر قرآن نازل کیا جاتا تو انکار کے لئے ان کو یہ بہانا مل جاتا کہ، عرب قوم کے لئے قرآن غیر عرب شخص پر کیوں نازل کیا گیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے انبیاء پر جو کتابیں نازل ہوئی تھیں ان کو مشرکین عرب نے قبول نہیں کیا، مگر اب جبکہ ایک عرب شخصیت پر ہی عربی میں قرآن نازل کیا گیا تو ان کے لئے اس عذر کو پیش کرنے کا بھی کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ مطلب یہ ہے کہ عرب قوم میں رسولِ عربی کی بعثت اور عربی قرآن کے نزول نے ان پر اللہ کی حجت پوری طرح قائم کر دی ہے۔

واضح رہے کہ اس کا یہ مطلب لینا ہرگز صحیح نہیں کہ قرآن غیر عربوں کے لئے حجت نہیں ہے۔ بلکہ اس کا پیغام جن جن قوموں تک پہنچ جائے ان سب کے لئے حجت ہے، خواہ وہ عربی جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ امتِ مسلمہ کے ذریعہ جو قرآن کی شہادت ہی کے لئے برپا کی گئی ہے قرآن کے پیغام کا پہنچنا حجت کا قائم ہو جانا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ کو دعوت دی جو غیر عرب تھے۔ چنانچہ قیصر نے آپ کا نامۂ مبارک جس میں قرآن کی آیت بھی درج تھی ایک ترجمان سے پڑھوایا۔ اور خلفائے راشدین نے غیر عرب اقوام کے خلاف فوجی کارروائی کرنے سے پہلے انہیں قبول اسلام کی دعوت دی۔

۱۶۵؎ یعنی کوئی نہ کوئی حیلہ بہانا کر کے کتاب الٰہی کو ماننے سے انکار کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کا قانونِ ضلالت ان پر لاگو ہو گیا ہے۔ اور اللہ کا قانونِ ضلالت یہ ہے کہ جو شخص آنکھیں بند کئے رہتا ہے اسے آفتابِ عالمتاب بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اس کے لئے تاریکی میں بھٹکنا مقدر ہے۔

مجرم سے مراد ہٹ دھرم لوگ ہیں جو اپنے شرک اور کفر پر جمے رہنا چاہتے ہیں۔

۱۶۶؎ یعنی یہ لوگ دلیل سے بات ماننے والے نہیں ہیں۔ مانیں گے تو اس وقت جب عذاب آنمودار ہوگا، مگر اس وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں۔

۱۶۷؎ یعنی اگر ہم نے ان کی مہلت میں اضافہ کیا اور انہیں دنیا میں عیش و عشرت کا کچھ اور موقع مل گیا تو اس سے ان کو کیا فائدہ، جب کہ ان کو ایک نہ ایک دن اپنے بُرے انجام سے دوچار ہونا ہی ہے۔

۱۶۸؎ یعنی ایسی تمام بستیوں کی طرف رسول بھیجے گئے تھے، جنہوں نے انہیں اللہ سے نہ ڈرنے کے انجام سے خبردار کر دیا تھا۔

❑❑❑❑❑❑

تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو ورنہ تم بھی سزا
پانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے ۔ اور اپنے قریبی
رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ اور جو ایمان لانے والے تمہاری
پیروی کریں ان کے لئے اپنے بازو جھکا دو۔ اور اگر وہ
تمہاری نافرمانی کریں تو ان سے کہو جو کچھ تم کر رہے ہو
میں اس سے بری ہوں ۔ اور توکل کرو اس پر جو غالب
اور رحیم ہے۔ (القرآن)

ذِكْرٰى ۚ۟ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۲۰۹

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۲۱۰

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۲۱۱

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۲۱۲

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۲۱۳

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۲۱۴

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۲۱۵

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۲۱۶

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۲۱۷

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۲۱۸

وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۲۱۹

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۲۲۰

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۲۲۱

تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۲۲۲

يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۲۲۳

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۲۲۴

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۲۲۵

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۲۲۶

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا
وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا
اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۲۲۷

۲۰۹ یاددہانی، کے لئے ۱۶۹ے۔ اور ہم ظالم نہیں ہیں۔ ۱۷۰ے

۲۱۰ اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نہیں اترے ہیں۔

۲۱۱ نہ یہ ان سے کوئی مناسبت رکھتا ہے اور نہ وہ ایسا کر ہی سکتے ہیں۔ ۱۷۱ے

۲۱۲ وہ تو اس کے سننے سے بھی دور رکھے گئے ہیں۔ ۱۷۲ے

۲۱۳ تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو ورنہ تم بھی سزا پانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ ۱۷۳ے

۲۱۴ اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ ۱۷۴ے

۲۱۵ اور جو ایمان لانے والے تمہاری پیروی کریں ان کے لئے اپنے بازو جھکا دو۔ ۱۷۵ے

۲۱۶ اور اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو ان سے کہو جو کچھ تم کر رہے ہو میں اس سے بری ہوں۔ ۱۷۶ے

۲۱۷ اور توکل کرو اس پر جو غالب اور رحیم ہے۔ ۱۷۷ے

۲۱۸ جو تمہیں دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم نماز میں کھڑے ہوتے ہو۔

۲۱۹ اور سجدہ ریز ہونے والوں کے درمیان تمہاری آمد و رفت کو بھی۔ ۱۷۸ے

۲۲۰ بے شک وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

۲۲۱ کیا میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں۔ ۱۷۹ے

۲۲۲ وہ ہر جھوٹی بات بنانے والے بدکار پر اترتے ہیں۔ ۱۸۰ے

۲۲۳ جو (شیطانوں کی طرف) کان لگاتے ہیں ۱۸۱ے۔ اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ ۱۸۲ے

۲۲۴ اور شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ ۱۸۳ے

۲۲۵ کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ۱۸۴ے

۲۲۶ اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ۱۸۵ے

۲۲۷ سوائے ان کے جو ایمان لائے، جنہوں نے نیک عمل کئے، اللہ کو بہ کثرت یاد کیا اور اس صورت میں بدلہ لیا جب کہ ان پر ظلم ہوا تھا ۱۸۶ے۔ اور جو ظلم کر رہے ہیں وہ عنقریب جان لیں گے کہ کس انجام کو وہ پہنچتے ہیں۔ ۱۸۷ے

۱۶۹؎ یہ رسول تنبیہ کے ساتھ یاددہانی اور نصیحت بھی کرتے رہے، تاکہ بات ایک طریقہ سے نہیں تو دوسرے طریقہ سے سمجھ میں آئے۔

۱۷۰؎ اگر کوئی شخص اپنے اوپر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دے تو وہ جل کر رہے گا۔ وہ اپنی اس حرکت کے بعد اپنی ہلاکت کی ذمہ داری خدا پر نہیں ڈال سکتا۔ اسی طرح جو لوگ اپنے کو عقیدہ و عمل کی اس راہ پر ڈال دیتے ہیں، جہاں آتش فشانی لاوا اُبلتا ہے تو وہ ضرور ہلاک ہو کر رہیں گے۔ اور وہ اپنی اس ہلاکت کی ذمہ داری اللہ پر نہیں ڈال سکتے، جب کہ اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ اس کو اس راہ کے پُرخطر ہونے سے آگاہ کر دیا تھا۔

۱۷۱؎ مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ قرآن ایک غیر معمولی کلام ہے جو غیب کی خبریں دے رہا ہے، تو انہوں نے اس کی توجیہ یہ کی کہ یہ القائے شیطانی ہے۔ یعنی شیطانوں نے (نعوذ باللہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ باتیں ڈال دی ہیں۔ اسی کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ نہ یہ کام شیطانوں کے لائق ہے اور نہ ان کے بس کی بات ہے۔ شیطانوں کو تو شر سے دلچسپی ہوتی ہے، وہ ایک ایسا کلام کیوں نازل کرنے لگیں جو سرتاسر خیر ہو؟ قرآن کی تعلیم تو عقیدہ و عمل اور اخلاق و کردار کی پاکیزگی کی تعلیم ہے، شیطانوں کو ایسی تعلیم سے کیا مناسبت ہو سکتی ہے؟ اور ان کے بس میں یہ کہاں ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن جیسا بلند پایہ کلام نازل کریں جس کا ایک ایک لفظ حق و صداقت کی شہادت دیتا ہے، جو انسانی زندگی کے رازِ سربستہ کو کھولتا اور اس کی منزل متعین کرتا ہے، وہ کائنات کے اسرار سے پردہ اٹھاتا اور غیبی حقائق کو پیش کرتا ہے۔ اس کی دعوت فطرت کی پکار اور عقل کے لئے روشنی ہے۔ اس کے الفاظ نہایت جچے تلے اور معانی سے پُر ہیں۔ اور بندش ایسی کہ ایک لفظ ادھر سے ادھر نہیں کیا جا سکتا۔ اور کلمات ایسے بلیغ اور مؤثر ہیں کہ بات براہ راست دل میں اتر جاتی ہے۔

ان تمام حقائق سے صرفِ نظر کر کے قرآن کو شیطانی الہام کا نتیجہ قرار دینا ایسے ہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو عقل و ہوش سے کام لینا نہ چاہتے ہوں۔ موجودہ زمانہ میں رشدی نے قرآنی آیات کو شیطانی آیات (Satanic Verses) سے تعبیر کر کے اسی ذہنیت کا ثبوت دیا ہے، جس ذہنیت کا ثبوت نزول قرآن کے زمانہ کے منکرین دے رہے تھے اور اس کو ''شاباشی'' بھی شیطان ہی کی طرف سے مل رہی ہے۔

۱۷۲؎ یعنی نزول وحی کے لئے یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ جب فرشتہ وحی لے کر پیغمبر پر نازل ہو تو اس کو شیاطین سن نہ سکیں۔ اس لئے وہ اس میں کوئی مداخلت بھی نہیں کر سکتے۔

قرآن کی اس صراحت کے بعد اس روایت کے جھوٹ ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے جس میں **تلک الغرانیق** (بتوں کی تعریف) والا قصہ بیان ہوا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ آپ کی زبان پر شیطان نے بتوں کی تعریف کے کلمات جاری کئے تھے جو بعد میں منسوخ ہوئے۔ اس جھوٹی روایت کی تردید ہم سورۂ حج کے نوٹ ۹۱؎ میں کر چکے ہیں۔ رشدی نے ''شیطانی آیات'' میں اسی جھوٹی روایت کا سہارا لیا ہے۔

۱۷۳؎ جب پیغمبر کو اتنی سخت بات سنائی گئی ہے کہ اس نے اللہ کے سوا کسی اور کو حاجت روائی کے لئے پکارا یا اس کی پرستش کی تو اسے بھی سزا بھگتنا ہوگی، تو دوسرے لوگ شرک کر کے کہاں بچ سکتے ہیں۔ اگرچہ پیغمبر کے شرک میں مبتلا ہونے کا کوئی احتمال نہیں تھا۔ لیکن چونکہ یہ اصولی بات واضح کرنا تھی کہ شرک ایک ناقابل معافی جرم ہے اور اس کی سزا کے سلسلے میں کسی کی رورعایت نہیں کی جائے گی اس لئے خطاب پیغمبر سے کیا گیا۔

۱۷۴؎ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کرنے کا حکم ظاہر ہے دعوتی جدوجہد کے آغاز ہی میں دیا گیا ہوگا۔ اس لئے اندازہ ہے کہ یہ سورہ مکہ کے شروع دور ہی میں نازل ہوئی ہوگی۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے قریش کے ایک ایک خاندان کو نام بنام پکارا اور جب وہ صفا پر جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: **فَاِنِّی نذیرٌ لکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیدٍ** (بخاری کتاب التفسیر) ''میں تمہیں آنے والے سخت عذاب سے خبردار کرتا ہوں۔''

اس موقع پر آپ نے جو بات کہی وہ دوٹوک انداز میں قیامت کے عذاب سے ڈرانے کی بات تھی۔ اور یہ ٹھیک اس حکم کی تعمیل تھی کہ **وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ** ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسوہ دعوتی میدان میں کام کرنے والوں کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔

۱۷۵؎ یعنی جو ایمان والے تمہاری پیروی کریں گے وہی اپنے ایمان میں مخلص ہوں گے۔ اور ایسے مخلص اہل ایمان کے ساتھ تم نرمی اور تواضع سے پیش آؤ اور

شفقت ورحمت کا برتاؤ کرو۔

۱۷۶؎ یعنی خبردار کرنے کے بعد بھی اگر وہ ایمان لانے اور تمہاری پیروی اختیار کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے، تو صاف کہہ دو کہ تمہارے مشرکانہ اعمال سے میرا کوئی تعلق نہیں، میں اپنی ذمہ داری پوری کر چکا اب تمہارے عمل کے تم ذمہ دار ہو۔

۱۷۷؎ توکل کی ہدایت کے ساتھ یہاں اللہ تعالیٰ کی دو صفات کا ذکر ہوا ہے ایک یہ کہ وہ عزیز یعنی غالب ہے لہٰذا اس کا فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا۔ اور دوسرے یہ کہ وہ رحیم ہے اس لئے یقین رکھو کہ وہ اپنے مخلص بندوں کو اپنی رحمت سے ضرور نوازے گا۔

۱۷۸؎ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پسندیدگی کا اظہار ہے کہ جس وقت تم نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہو اس کی نظر عنایت تم پر ہوتی ہے۔ اور اس وقت بھی جب تم اپنے عبادت گذار ساتھیوں کے درمیان ہوتے ہو۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے عبادت گذار ہیں اور آپ کی پیروی کرنے والے بھی عبادت میں سرگرم رہنے والے لوگ ہیں۔ آپ اپنے ساتھیوں کی تربیت اس طرح کر رہے ہیں کہ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونا ان کا امتیازی وصف قرار پائے۔ اس لئے آپ کی مجلس اللہ والوں کی مجلس ہے جس کی فیض بخشی شبہ سے بالاتر ہے۔ مگر لوگ حقیقتِ واقعہ سے آنکھیں بند کر کے پیغمبر کو کبھی کاہن قرار دیتے ہیں تو کبھی شاعر اور کبھی کچھ اور۔

۱۷۹؎ یعنی شیاطین کن لوگوں کے دلوں میں فاسد خیالات اور باطل کلمات ڈال کر ان کو اپنا آلۂ کار بناتے ہیں۔

۱۸۰؎ متن میں لفظ **اَفَّاكٍ** استعمال ہوا ہے جس کے معنی محض جھوٹ بولنے والے کے نہیں ہیں، بلکہ جھوٹے قصے اور جھوٹی روایتیں گڑھنے والے، جھوٹی خبریں دینے والے اور بہتان تراشی کرنے والے کے ہیں۔ یہاں خاص طور سے مراد کاہن (Sooth Sayers) ہیں جن کا پیشہ ہی لوگوں کو غیب کی خبریں دینا اور پیش گوئی کرنا تھا۔ اس کیلئے، وہ شیطانی اعمال (سفلی اعمال) کرتے اور شیطانوں سے مدد لیتے۔ کہانت کا بڑا ذریعہ ستاروں کے اثرات کا علم رہا ہے، جسے علمِ نجوم (Astrology) کہا جاتا ہے مگر موجودہ زمانہ میں علم الافلاک (Astronomy) کی ترقی نے ستاروں اور سیاروں کے بارے میں سائنسی معلومات کا ڈھیر لگا دیا۔ نتیجہ یہ کہ پرانا علم نجوم (Astrology) جو نحوست اور سعادت سے بحث کرتا تھا، مٹتا چلا گیا اور اس کے ساتھ کاہنوں کا وجود بھی نہیں رہا۔ موجودہ علم جوتش (Astrology) اسی کا بچا کھچا حصہ ہے۔

کاہنوں کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ بدکار ہوتے ہیں۔ جب آدمی جھوٹ کو پیشہ بنالے تو اس کے کردار میں پاکیزگی کس طرح آسکتی ہے؟ وہ بداخلاقی اور بدکردار ہی ہو سکتے ہیں۔ اور شیطان اپنا رشتہ اشرار ہی سے جوڑتا ہے۔

۱۸۱؎ یعنی جو شیطان کے دلوں میں ڈالی جانے والی باتوں کو اس طرح قبول کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، جیسے وہ ان ہی کی طرف کان لگائے ہوئے ہوں۔ مراقبہ (Meditation) میں بیٹھ کر جن یا شیطان کے الہام کا انتظار کرنا شیاطین کی طرف کان لگانے کی بہت واضح شکل ہے۔

۱۸۲؎ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں کچھ لوگ سچے بھی ہوتے ہیں، بلکہ مطلب یہ کہ وہ جو خبریں دیتے ہیں اور جو پیشین گوئی کرتے ہیں ان میں وہ اکثر جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ان کی کوئی بات صحیح ثابت ہو۔

واضح رہے کہ پامسٹری (ہاتھ کی لکیروں کا علم) جو مستقبل کا حال بتاتی ہے کہانت ہی کی ایک قسم ہے۔ اسی طرح جنات کو حاضر کر کے ان سے باتیں اگلوانے کا دعویٰ، نیز فالگیری سب ڈھکوسلا اور عوام کو اُلّو بنانے والی باتیں ہیں۔ مگر بداعتقاد لوگ جب انکے ہاں چوری وغیرہ ہو جاتی ہے تو ''باواؤں'' کی طرف رجوع کرتے ہیں جو انہیں چور کی جھوٹی علامتیں بتا دیتے ہیں۔ بداعتقاد لوگوں کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہیں آتی کہ اگر فال کے ذریعہ مجرم کا پتہ لگانا ممکن ہوتا تو ہزاروں مجرموں کی تفتیش کی لمبی کارروائی پولس کو نہ کرنا پڑتی۔ وہ چند فالگیری کرنے والوں کی خدمات حاصل کر کے مجرموں کا پتہ لگا لیتی۔ مگر وہم پرستی اور بداعتقادی میں مبتلا ہونے والوں کی عقل ماری جاتی ہے۔

۱۸۳؎ یہ اس شبہ کی تردید ہے کہ قرآن شاعرانہ کلام ہے۔قرآن کی بلاغت اس کے جملوں کی حیرت انگیز ترکیب اور اس کی اثر انگیزی کو دیکھ کر منکرین سے جب کوئی جواب بن نہ پڑتا، تو وہ اس کی توجیہ یہ کرتے کہ یہ شعر و شاعری کے سوا کچھ نہیں۔ان کی اسی توجیہ کی تردید کرتے ہوئے انہیں دعوت فکر دی گئی کہ کیا تم ایک شاعر اور ایک نبی کا فرق محسوس نہیں کرتے؟ یا شاعری اور کلام الٰہی میں امتیاز تمہارے لئے مشکل ہو رہا ہے؟ دیکھتے نہیں کہ شاعروں کی طرف کون لوگ کھنچتے ہیں۔گمراہ لوگ ہی ہیں جو ان کی واہی تباہی کی باتوں کو داد دیتے اور ان کا اثر قبول کرتے ہیں بخلاف اس کے جن لوگوں نے رسول کی پیروی اختیار کی ہے وہ جویائے حق ہیں اور پیغمبر سے انہوں نے رشد و ہدایت کی روشنی پائی ہے۔ان کی راست روی کو دیکھ کر ہرگز یہ رائے قائم نہیں کی جاسکتی کہ یہ کسی شاعر کے پیچھے چلنے والے لوگ ہیں۔

واضح رہے کہ اس زمانہ کے شعراء گمراہی پھیلانے میں پیش پیش تھے۔امراء القیس تو عرب شعراء کا امام سمجھا جاتا تھا اور سبع معلقات (شاعری کے سات مجموعے) جو خانہ کعبہ میں آویزاں کئے گئے تھے ان میں اس کا کلام ایک امتیازی شان رکھتا تھا۔مگر اس کی شاعری بے ہودہ گوئی، عشق بازی اور فحش بیانی کی بدترین مثال ہے۔کہاں یہ اخلاق کو بگاڑنے والے شاعر اور کہاں اخلاق کو سنوارنے والا نبی۔

۱۸۴؎ شاعری اصل میں تخیل کی پرواز ہے اس لئے شاعر کبھی زمین پر ہوتے ہیں تو کبھی آسمان پر، کبھی مے خانہ میں ہوں گے تو کبھی بت خانہ میں، کبھی محبوب کی بے وفائی کا گلہ کریں گے تو کبھی اس کی جدائی پر آنسو بہائیں گے، کبھی غم عشق میں مریں گے اور کبھی داد عیش دیں گے جب کسی سے ناراض ہوئے تو ہجو کی اور خوش ہوئے تو قصیدہ پڑھا، ایک طرف زہد کا سبق دیں گے تو دوسری طرف عیش کوشی پر ابھاریں گے، مبالغہ آرائی اور خیال آرائی ان کے فن کا کمال ہے وہ ع

رگِ گل سے بلبل کے پر باندھتے ہیں

اس لئے شاعروں کے بارے میں قرآن کا یہ بیان کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں حقیقتِ واقعہ ہے۔اور اس کے پیشِ نظر شاعر اور رسول کا فرق بالکل واضح ہے۔رسول داعیٔ حق ہوتا ہے اور وہ نشاناتِ راہ کو واضح کرتے ہوئے ایک متعین منزل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔وہ ٹھوس باتیں کرتا ہے اور ٹھوس نتائج سے باخبر کرتا ہے۔وہ صداقت کا پیکر ہوتا ہے اور اس کی ہر بات جچی تلی ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ قرآن نے شعراء کے بارے میں جو بات کہی ہے وہ اُس زمانہ کے شعراء تک محدود نہیں ہے، بلکہ ایک عام حکم کی حیثیت رکھتی ہے۔اور مقصود ان کی عام خصلت اور ان میں پائی جانے والی عام کمزوری کو بیان کرنا ہے۔اور ہم دیکھتے ہیں کہ بعد کے دور میں بھی شعراء کا یہی کچھ حال رہا ہے اور آج بھی یہی حال ہے۔

عربی میں فرزدق اور اس کے ہم مشرب شاعروں نے ہجو گوئی اور عریاں بیانی کی، تو فارسی میں خیام اور اس کے ہم مشرب شاعروں نے مے نوشی اور عیش و طرب کا شوق پیدا کیا۔رہی اردو تو کیا میرؔ اور کیا غالبؔ سب کا موضوعِ سخن غم عشق رہا، اور اب جب کہ مادی اور معاشی تحریکیں چل رہی ہیں موضوعِ سخن غم روزگار ہے۔

حدیث میں ایسے اشعار کو قابل نفرت قرار دیا گیا ہے جو فکر و ذہن اور اخلاق و کردار پر برا اثر ڈالتے ہوں۔

لَاَنْ یَمْتَلِئَ جَوْفُ رَجُلٍ قَیْحاً خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ یَمْتَلِئَ شِعْراً۔(بخاری کتاب الادب)

''کسی شخص کے پیٹ کا پیپ سے بھر جانا بہتر ہے اس سے کہ وہ شعر سے بھرا ہوا ہو''

۱۸۵؎ یہ شاعروں کی سب سے بڑی کمزوری ہے جس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔وہ گفتار کے غازی ہوتے ہیں کردار کے غازی نہیں بنتے۔کیوں کہ ان کا اصل مشغلہ تک بندی اور سخن آفرینی ہوتا ہے تاکہ عوام سے داد حاصل کریں۔وہ بے کردار ہوتے ہیں با کردار نہیں، اور قوال ہوتے ہیں فعال نہیں۔اس کے برعکس رسول جو کہتا ہے وہ کرتا ہے اور جو تعلیم دیتا ہے اس پر خود عمل پیرا ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کی زندگی مکارم اخلاق اور اوصاف حمیدہ کا بہترین نمونہ ہوتی ہے۔

۱۸۶؎ اوپر جن گمراہ شاعروں کا ذکر ہوا ان سے مستثنیٰ وہ شاعر ہیں جن میں یہ چار اوصاف پائے جائیں۔ایک یہ کہ وہ اہل ایمان ہوں، دوسرے یہ کہ وہ عمل کے اعتبار سے صالح ہوں، تیسرے یہ کہ وہ اللہ کو بہ کثرت یاد کرنے والے ہوں اور ذکر الٰہی ان کے کلام میں اس طرح رچ بس جائے کہ جو شخص بھی ان کے اشعار سنے اس کو خدا یاد آجائے۔اور چوتھے یہ کہ وہ کسی کو بُرا بھلا کہیں تو ہجو گوئی کے طور پر نہیں بلکہ اپنی مدافعت کے طور پر کہ مظلوم کو ظالم کے خلاف کہنے کا حق ہے۔

آگے جا کر دربارِ رسول کے جو شاعر ہوئے ان میں یہ سب اوصاف پائے جاتے تھے۔اور ان میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی تھی۔

قرآن کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ شعر و شاعری کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا اور نہ شعر گوئی کی ترغیب دیتا ہے بلکہ کڑی شرائط کے ساتھ اس کو صرف رخصت کے درجہ میں رکھتا ہے۔البتہ اگر کوئی شاعر ان حدود و قیود میں رہتے ہوئے دین کی مدافعت کیلئے یا صحیح دینی اسپرٹ پیدا کرنے کے لئے سخن آرائی کرتا ہے تو جیسا کہ حدیث میں آتا ہے اللہ کی طرف سے اس کی تائید کا سامان بھی ہوتا ہے۔

۱۸۷؎ مراد وہ لوگ ہیں جو خود گمراہ ہیں اور نہیں چاہتے کہ دوسرے لوگ بھی ہدایت کی راہ اختیار کریں۔اس لئے وہ پیغمبر اور اس کے ساتھیوں کے خلاف ظلم و زیادتی پر اتر آئے ہیں۔کچھ ہی عرصہ بعد ان ظالموں کا جو حشر اس دنیا میں ہوا اس سے آج کون واقف نہیں ہے؟

❑❑❑❑❑❑